



# المبشر

تعلیمی و تربیتی رسالہ

مسجد نبوی کا قیام اور تاریخی کردار

دعوت کے نبوی اسالیب



وحی اور انسان کی سرگذشت (آخری حصہ)



مثبت سوچیے، خوش رہیے۔

حجرہ اسود اور ہمارا رویہ





37 مجھے کسی نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔۔ شمیم مرتضیٰ

39 ابلیس سے جنگ کی رواداد۔۔ پروفیسر محمد عقیل

## رسائل و مسائل

42 خدا نظر کیوں نہیں آتا۔۔ حافظ محمد شارق

## متفرقات

45 حمد و نعت

46 لفظ لفظ موتی، شاعرانہ انتخاب

47 سنہری موقع

48 خود اعتمادی مگر کیسے؟

49 آئی ایس پی خبرنامہ

## مجلس تحریر

محمد مبشر نذیر، حافظ محمد شارق، شکیل عاصم، پروفیسر محمد عقیل، مدیحہ فاطمہ قاسم، ام مریم، مریم نورین، رابعہ ریحان، ساجد محمود، شمیم مرتضیٰ، حفیظ بابر، سید اسرار

## معاونین

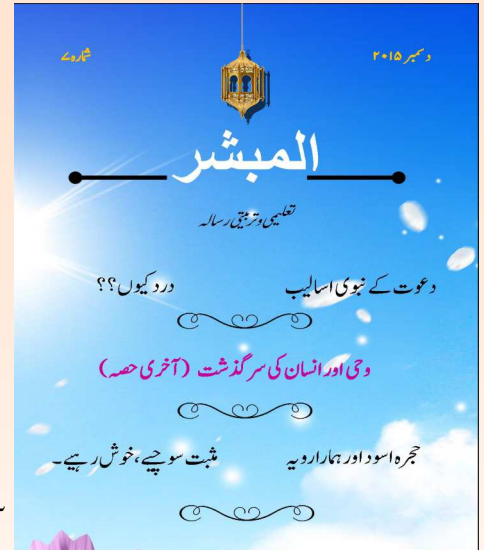
عظمیٰ عنبرین، بنت فاطمہ

## المبشر ٹیم

سرپرست اعلیٰ: محمد مبشر نذیر  
مدیر: حافظ محمد شارق  
نائب مدیر: عدیلہ کوکب

## آئی ٹی ٹیم

ساجد محمود، سلمان حامد، رابعہ ریحان، مدیحہ فاطمہ



almubashir.isp@gmail.com

رابطہ کرنے اور تحریریں بھیجنے کے لیے رابطہ کیجیے

لرننگ منیجمنٹ سسٹم

www.islamic-studies.info/lms

رسالے کی ویب سائٹ

www.almubashir.org

آفیشل ویب سائٹ

www.islamic-studies.info



# 2016

## مدیر کے قلم سے سالِ نو

حافظ محمد شارق

دسمبر کا آغاز ہوتے ہی نئے سال کی مبارک باد کے پیغامات کے ساتھ ہی ہر طبقہ میں ہلچل شروع ہو جاتی ہے۔ نوجوان رقص و موسیقی، فائرنگ اور ساحل سمندر پر تفریح کرتے ہوئے سالِ نو کا استقبال کرتے ہیں اور آتش بازی کا مظاہرہ بھی بڑے پیمانے پر کیا جاتا ہے۔ نہ صرف انفرادی حیثیت سے، بلکہ سرکاری سطح پر بھی نئے سال کی خوشیوں کے نام پر وہ سبھی خرافات رقص کر رہی ہوتی ہیں جنہیں دیکھ کر حیا اور اخلاقیات کے پاس اپنا سرپیٹنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ نئے سال کی خوشی منانے کا یہ انداز اس بات کا مظہر ہے کہ بحیثیت قوم ہماری زندگیوں میں وقت کی ایک بہت بڑی اکائی گزر جانے کی کیا اہمیت ہے۔ دوسری طرف سوچنے کا مقام ہے کہ کیا واقعی نیا سال تفریح کا موقع ہے؟ یا یہ موقع اس منزل کے لیے مقام فکر ہے جس کی جانب ہم لمحہ بہ لمحہ نہ چاہتے ہوئے بھی بڑھتے جا رہے ہیں۔ سالِ نو محض کسی جشن کا پیغام نہیں بلکہ ایک قاصد ہے جو ہمارے لیے اس بات کی یاد دہانی ہے کہ ہماری عمر کے سالوں میں اب قلت ہونے لگی ہے۔

ہم نے اس آئندہ سال کے لیے نہ جانے کتنی خوش گمانیاں، امیدیں اور آرزوئیں تیار کر رکھی ہوں گی مگر ہم میں سے کوئی بھی یہ بات واثوق سے

نہیں کہہ سکتا کہ وہ آئندہ سال کا سورج دیکھ پائے گا۔ کوئی بھی شخص اس بات کا علم نہیں رکھتا کہ آئندہ سال کس کی قسمت میں مزید دنیا ہے اور کس کی قسمت اسے اس کی منزل مقصود پر لے جائے گی؟ جن کے اوقاتِ زندگی خدائی رنگوں سے مزین ہوتے ہیں، ان کے لیے ہر نیا سال ان کے محبوب سے قربت کا پیغام ہے، مگر جو لوگ فرعونیت کی راہ اختیار کیے ہوئے ہیں اور خدا کو ثانوی حیثیت دے چکے ہیں ان کے لیے یہ ایک ابدی آگ کا پیغام ہے۔ ہمیں اس موقع پر اس بات کی تشویش ہونی چاہیے کہ نیا سال ہمیں ابدی جنت کے قریب کر رہا ہے یا جہنم کی طرف۔

جس طرح ہم آنے والے سال کے لیے دنیاوی تیاریاں اور گزشتہ سال کا احتساب کرتے ہیں اسی طرح ہمیں اپنی دینی و اخلاقی حالت کا بھی احتساب کرنا چاہیے کہ اس گزرے ہوئے سال ہم عبادات و اخلاقیات میں کس مقام پر رہے اور آئندہ سال ہمیں ان میں بہتری کے کیا اقدامات کرنا ہوں گے تاکہ نئے آنے والے سال کو نئی ملنے والی نئی زندگی کے لیے مبارک بنا سکیں۔

کوئی بھی کامیابی حاصل کرنے کے لئے دو مراحل ہوتے ہیں ایک منصوبہ بندی اور دوسرا عمل درآمد۔ اگر منصوبہ بندی سرے سے کی ہی نہ جائے تو کسی اہم مقصد کو حاصل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، مثال کے طور پر اگر ایک طالب علم امتحان کی تیاری اور منصوبہ بندی نہ کرے اور امتحان دینے چلا جائے تو اس کی ناکامی یقینی ہے۔ اسی طرح اگر ایک مسلمان آخرت کی تیاری کے لئے منصوبہ بندی نہ کرے تو ناکامی کے قوی امکانات ہیں۔ پروفیسر محمد عقیل نے اس منصوبہ کا آغاز کرنے کے لیے ایک شیٹ ترتیب دی ہے۔ یہ شیٹ آپ کو اس نئے سال کے لئے مقاصد فراہم کرتی اور ان کے حصول میں کامیابی یا ناکامی کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس پر عمل درآمد کریں اور اپنی آخرت سنوارنے کی سعی کریں۔ یہ شیٹ اس لنک سے ڈاؤن لوڈ کی جاسکتی ہے۔

[www.almubashir.org](http://www.almubashir.org)



# درس قرآن

آیات 67-101

پروفیسر محمد عقیل

(نوٹ: طوالت کے پیش نظر عربی عبارت اور اردو ترجمہ یہاں نقل نہیں کیا گیا)

آیات کی ابتدا میں بنی اسرائیل کی کٹ جتنی بیان ہوئی ہے کہ کس طرح انھوں نے ایک آسان چیز کو اپنے لیے مشکل بنالیا۔ یعنی حکم تھا کہ کوئی بھی ایک گائے ذبح کرو لیکن وہ ظاہر پرستی اور فقہی موشگافیوں کی بنا پر اپنے لیے مصیبت پیدا کرتے چلے گئے کہ گائے کیسی ہو، رنگ کیا ہو، بوڑھی ہو یا بچھیا وغیرہ۔ آج یہی مزاج کم و بیش ہمارے ہاں بھی لوگوں میں پیدا ہو گیا ہے اور اس کی وجہ مذہبی طبقے کا درست طور پر ایجوکیشن فراہم نہ کرنا ہے۔

اس کے بعد یہود کی سخت دلی کا ذکر ہے کہ کس طرح تمہارے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ یہ مقام ذرا رک کر غور و فکر کرنے کا ہے۔ یہاں پتھروں کی تین خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ پتھر تو بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں، اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں، اور ان میں سے پانی نکلنے لگتا ہے، اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ خدا کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔

اس کائنات کی ایک ایک شے تسبیح کرتی ہے اور اس کی تسبیح، رکوع، سجود اور تعلق باللہ اس کی اپنی زبان میں ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر سائے تو دیکھیں تو جوں جوں سورج ڈھلتا ہے، سایہ پھیلنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس عمل کو قرآن سائے کے سجدے سے تعبیر کرتا ہے۔ اس طرح پتھروں کو دیکھا جائے تو بظاہر چشمہ پھوٹنا، پانی بہہ یہ پتھر کا تعلق باللہ ہے۔ پتھروں سے خدا کی یاد میں نکل جاتے ہیں اور روکے نکلنا اس دھواں دھار سوز غم کا اظہار ہے دل پھٹ جاتا ہے اور بے اختیار ہچکیاں گر جانا اس کیفیت کو ظاہر کرتا ہے جب چکی اور ٹانگوں نے خوف کے باعث جسم انسان ایک بے جان لاشے کی طرح خدا

اور پتھر تو بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سے چشمہ پھوٹ نکلتے ہیں، اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں، اور ان میں سے پانی نکلنے لگتا ہے، اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ خدا کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔

اگلی چند آیات میں یہود کے جرائم پر مزید روشنی ڈالی جا رہی ہے کہ یہ کس طرح دین سے دور ہیں اور خود کو عین دین سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ بھی بتادی کہ انہیں یہ غلط فہمی ہے کہ یہ خدا کے چہیتے ہیں اور یہ کچھ بھی کر لیں، جہنم کی آگ انہیں نہیں چھوئے گی اور اگر چھو تو بس چند دن۔ آگے بتادیا کہ جس کی زندگی کا احاطہ گناہوں نے چاروں طرف سے کر لیا ہو اس کا ٹھکانہ ابدی جہنم ہے۔ آگے یہود کو مزید گناہ بتائے ہیں تاکہ انہیں آخر میں امت وسط کے عہدے سے باقاعدہ معزول کیا جائے۔

## افضل نیکیاں

- 1- طاقت کے باوجود انکساری
- 2- تنگدستی میں سخاوت
- 3- تنہائی میں پارسائی
- 4- غصے کے وقت درگزر
- 5- جوانی میں توبہ



# فہم حدیث

## حجر اسود اور ہمارا رویہ

سلمان حامد (لاہور)

عَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ جَاءَ إِلَى الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ فَقَبَّلَهُ فَقَالَ إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ

عابس بن ربیعہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجر اسود کے پاس آئے اور اسے بوسہ دیا اور فرمانے لگے: میں خوب جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے، نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے میں نہ دیکھتا تو میں بھی کبھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔ (صحیح البخاری: کتاب الحج)

حجر اسود وہ کالا پتھر ہے جو کعبہ کے مشرقی کونے میں لگا ہوا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حجر اسود جنت کا پتھر ہے۔ پہلے وہ دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا پھر لوگوں کے گناہوں نے اس کو کالا کر دیا۔ احادیث میں حجر اسود کو چومنے کے کئی فضائل بیان کئے گئے ہیں جیسا کہ یہ وہ تاریخی پتھر ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے بیٹے حضرت اسمعیل علیہ السلام کے مبارک جسموں سے مس ہونے کا شرف حاصل ہے۔



قیامت کے دن یہ پتھر ان لوگوں کی گواہی دے گا جو اللہ کے گھر کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور اس کو ہاتھ لگا کر حج یا عمرہ کی شہادت ثبت کراتے ہیں۔ ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس تاریخی پتھر کو زبان اور بصارت سے سرفراز کرے گا۔ جن لوگوں نے حقانیت کے ساتھ توحید الہی کا عہد کرتے ہوئے اس کو چوما ہے، یہ ان پر گواہی دے گا۔

رش کے موقع پر لوگوں کو دھکے دینے، پیچھے دھکیلنے کے بعد حجرہ اسود کو چومنے سے ثواب کے ضروریات کا سوال کرنا چاہیے۔

جس طرح کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ ہے، اسی طرح کسی مسلمان کو اللہ کے سوا کسی توہم پرستی سے بچنا چاہیے اور اللہ سے ہی اپنی۔ ایک اور اہم بات یاد رکھنی چاہیے حج و عمرہ اسی وقت دیں جب ہم اس تک آسانی سے پہنچ سکتے ہوں۔ رش کے موقع پر لوگوں کو دھکے دینے، پیچھے دھکیلنے کے بعد حجرہ اسود کو چومنے سے ثواب کی بجائے الٹا گناہ ہو گا اور کسی قیمتی جان کا ضیاع بھی ہو سکتا ہے۔ رش کی صورت میں صرف دور سے حجر اسود کو ہاتھ اٹھا کر بوسہ دے دیں۔ اللہ آپ کی نیتوں سے بہت اچھی طرح واقف ہے اور سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

زمین پر خشک سالی آتی ہے، تاکہ آنکھوں کی خشک سالی ختم ہو، آسمان پر بادل اس لیے گرجتے ہیں تاکہ لوگوں کے دل خوفِ خدا سے دہلیں، گرمی کی شدت اس لیے ہوتی ہے، تاکہ لوگ جہنم کی آگ کو یاد کر کے تڑپ اٹھیں۔

(کتاب معرفت، مولانا وحید الدین حنان)



# دَلَالَتِ نَصِّ

(دالالت نص۔۔ حصہ دوم)

حافظ محمد شارق

دالالتِ نص سے مراد وہ حکم ہے جو نص کے الفاظ میں شامل نہ ہو لیکن بدیہی طور پر مذکورہ حکم کے ضمن میں شامل ہو۔ اصول شاشی میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

فَهِيَ مَا عَلِمَ عِلَّةُ الْحُكْمِ الْمَنْصُوصِ عَلَيْهِ لُغَةً لَا اجْتِهَاداً، وَلَا اسْتِنْبَاطاً

"گویا اس کے ذریعے منصوص حکم کی اصل علت کا پتہ چلتا ہے اور یہ علم کسی اجتہاد اور قیاس و استنباط کے بغیر محض الفاظ کے معنی کو ہی سمجھنے سے حاصل ہو جاتا ہے"

یعنی کسی حکم کی علت کی بنیاد پر وہ احکام بھی اس میں شامل ہو جائیں جو دراصل نص کے الفاظ میں موجود نہیں تھے۔ مثلاً قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

"فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا" (الاسراء: 23)

آیت کے الفاظ میں حکم یہ ہے کہ والدین کو اُف تک نہ کہا جائے۔ مگر ایک عام سے شخص کے لیے یہ بات سمجھنا آسان ہے کہ یہاں جب اُف کہنے

سے منع کیا جا رہا ہے تو یہ باتیں بھی اس حکم میں شامل ہوں گی کہ والدین کو گالی دینا یا انھیں کسی اور نوعیت کی تکلیف پہنچانا حرام ہے کیونکہ یہ اعمال اُف کہنے سے کہیں زیادہ بدتر ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا ۖ إِنَّهُمْ مُّكُونُوا سَعِيرًا (النساء: 10)

یشک جو لوگ یتیموں کے مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں نری آگ بھرتے ہیں، اور وہ جلد ہی دکھتی ہوئی آگ میں جاگریں گے۔ اس حکم میں عبارت نص سے واضح ہے کہ یتیم کا مال ظلماً کھانا حرام ہے کیونکہ اس طرح نہ صرف اس کی حق تلفی ہوتی ہے بلکہ اس کے مال کا ضیاع بھی ہو جاتا ہے جو اسے نہیں مل پاتا۔ اب مال کھانے کے علاوہ بھی وہ تمام صورتیں جس سے یتیم کے مال کی حق تلفی ہو وہ سب ناجائز ہوں گی، مثلاً کوئی شخص یتیم کا مال کھانے کی بجائے اسے آگ لگا کر ضائع کر دے تو یہ بھی حرام ہوگا۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں ہر چیز کو کسی نہ کسی نے پیدا کیا ہے۔ ہر چیز کا کوئی نہ کوئی خالق ہے۔

اس لیے اکثر ذہن میں یہ سوال آتا ہے کہ ”خدا کا خالق کون ہے؟“

اس سوال کا جواب پانے کے لیے نیچے دیئے گئے لنک کو وزٹ کریں۔

[www.urduvilla.com/](http://www.urduvilla.com/) خدا-کا-خالق-کون-ہے؟





# وحا اور انسان کا سر گذشت

قسط نمبر 7 (آخری حصہ)

حافظ محمد شارق (کراچی)

اللہ سے بغاوت کے لیے انسانیت کے تیسرے ستون معاشرتی نظام کو بھی احمق انسان نے نہ بخشا اور اس میدان میں بھی اپنے کارنامے دکھادیے۔ میدان سیاست اور میدان معیشت بھی اگرچہ اہم معاملات تھے جس میں انسانی عقل ٹھوکریں کھاتی پھر رہی ہے لیکن سب سے زیادہ سنگین معاملہ انسانی سماج کا ہے جس میں ان نام نہاد عاقل و بالغ مفکرین نے اپنی نفسیاتی خواہشات کے حصول کے لیے ایسے رجحانات عام کیے جس کا ناپاک لحاف ساری مغربی تہذیب نے اوڑھ لیا، اور بہت تیز رفتاری کے ساتھ ہماری پاک زمینوں پر بھی چھا رہا ہے۔ اس نظام کی بنیاد بے لگام آزادی اور مرد و زن میں مساوات پر ہے۔

اس تہذیب کا مطالبہ آزادی اور حقوق میں مساوات ہے۔ عورت و مرد مساوانہ حقوق اور ان کی مساوانہ تربیت کی جائے اور ان دونوں جنسوں میں وقت عاقلہ کا جو نوعی فرق ہے اس کو بھلا دیا جائے۔ آج مغرب کی پروادی میں مساوات مرد و زن کا خوشمنا نعرہ لگایا جا رہا ہے۔ بیوی اپنے شوہر کی تابع نہیں ہو سکتی کیونکہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ معاشرے میں عورت آزاد ہے کہ وہ بے پردہ سینماؤں اور ہوٹلوں میں گھومتی رہیں اور اسے

کوئی بھی نہ روکے۔ انسان جس طرح چاہے اپنی جنسی خواہش پوری کرے، زنا بالجبر قانون کی خلاف ورزی ہے مگر زنا بلرضا کوئی جرم نہیں۔ بلکہ یہ تو رضامندی کے ساتھ ہونے والا ایک تعلق ہے۔ والدین کا حق اولاد پر صرف بلوغت تک ہے اس کے بعد وہ خود مختار ہیں۔ اگر بیٹی زنا کر رہی ہے تو ماں باپ کو اس سے کچھ سروکار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ قانونی طور پر بالغ ہونے کے بعد آزاد ہے۔ اسی طرح اگر ماں باپ اولاد کی پرورش کرتے ہیں تو اس میں ان کا کوئی بڑا احسان نہیں ہے بلکہ یہ تو ہر ماں باپ کرتے ہیں۔ لہذا ان کی پرورش کا بدلہ دینا لازمی نہیں ہے بلکہ جب وہ بوڑھے ہو جائیں تو انہیں اولڈ ہومز بھیج دیا جانا چاہیے۔ میاں بیوی کے مقدس تعلق کو ایک سوشل کنٹریکٹ بنا دیا گیا ہے۔ چنانچہ اگر فریقین چاہیں تو کچھ عرصہ ساتھ رہیں اگر بہتر لگاؤ شادی ورنہ اپنی اپنی راہ پہ نکل کر کسی نئے جیون ساتھی کی تلاش کریں۔ فرد کی آزادی کے معاملے میں نفس پرست انسان زیادہ سے زیادہ آزادی کا طالب ہوا، آزادی کی طلب کا یہ احساس اس قدر وحشت ناک تھا کہ انسان نے معاشرت میں پائے جانے والی تمام اخلاقی زنجیروں کو بھی نکال کے پھینک دیا۔ وہ جس طرح جس سے چاہے اپنی جنسی خواہش پوری کرے، اگر وہ ہم جنس پرستی کرے تو اس پر کوئی نکیر نہیں کر سکتا کیونکہ وہ اس کا حق ہے۔

ابلیسیست کا یہ پورا نظام کیا کیا فضلہ خارج کر رہا ہے یہ آج ساری دنیا کے سامنے ہے۔ اس گمراہ کن نظام کا ہی نتیجہ ہے کہ آج خاندان کا ادارہ تباہ و برباد ہو رہا ہے۔ نہ شوہر کو بیوی پر اعتماد ہے کہ وہ باہر کیا کرتی ہے اور نہ بیوی کو شوہر پر۔ ان معاشروں میں اباحیت کا رجحان عام ہو گیا، اور انسانی سماج خوش پوش حیوانوں کا ایک جنگل بن کر رہ گیا ہے جس میں یہ معاشرتی حیوان جو چاہے کر سکتا ہے۔

مذکورہ بالا نظام کس طرح وجود میں آئے اور وہ کونسا جذبہ محرکہ تھا جو ان کی تخلیق کا سبب بنا؟ یہ ایک الگ داستان ہے لیکن ان سب نظاموں کی بنیاد دراصل اللہ سے بغاوت، نفس پرستی اور اپنی عقل پر تکبر ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ عقل سے وضع کردہ سارے نظاموں نے آج عقل انسانی کو تھکا دیا ہے۔ بلاشبہ انسان کو اس کے رب نے جو قوتیں عطا کی ہیں ان میں سے زیادہ اعلیٰ اور زبردست عقل ہے۔ لیکن جس طرح انسان کی دوسری قوتیں محدود اور ناقص ہیں، انسان کی عقل بھی انتہائی محدود ہے۔ عقل سوچتی ہے تو صرف اتنا ہی جتنا کہ اس کا دائرہ ہوتا ہے، اور پھر مفادات و جذبات کا طوفان بھی اس پر ہمہ وقت غالب رہتا ہے، لہذا انسانی فکر و عقل سے وضع کردہ نظام اجتماعی لحاظ سے کبھی بھی انسانیت کو فلاح عطا نہیں کر سکتے۔

اب صبح کے بھولے ہوئے انسان کو یقین ہو جانا چاہیے کہ اب انسانیت کے جو داعیات و مقتضیات ہیں اس کا ادراک اس کی ناقص عقل نہیں کر سکتی۔ اس بات کا احساس اور خوف دنیا کے ہر مفکر کے لیے لازم ہے کہ تہذیب و تمدن کے نشاط انگیز صحرا میں مہلک حشرات الارض بھی موجود ہیں جو ہماری رگوں میں ابلیسیست کا زہر اتار سکتے ہیں۔ انسان چاہے جتنی ہی کوشش کر لے جہاں تک اس کی حد ہے وہ اسی میں محدود رہے گا۔ وہ سب مل کر بھی ساری انسانیت کے لیے قانون الہی کے خلاف کوئی فیصلہ کریں تو ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔ انسان نے اپنی عقل سے جتنے بھی نظام

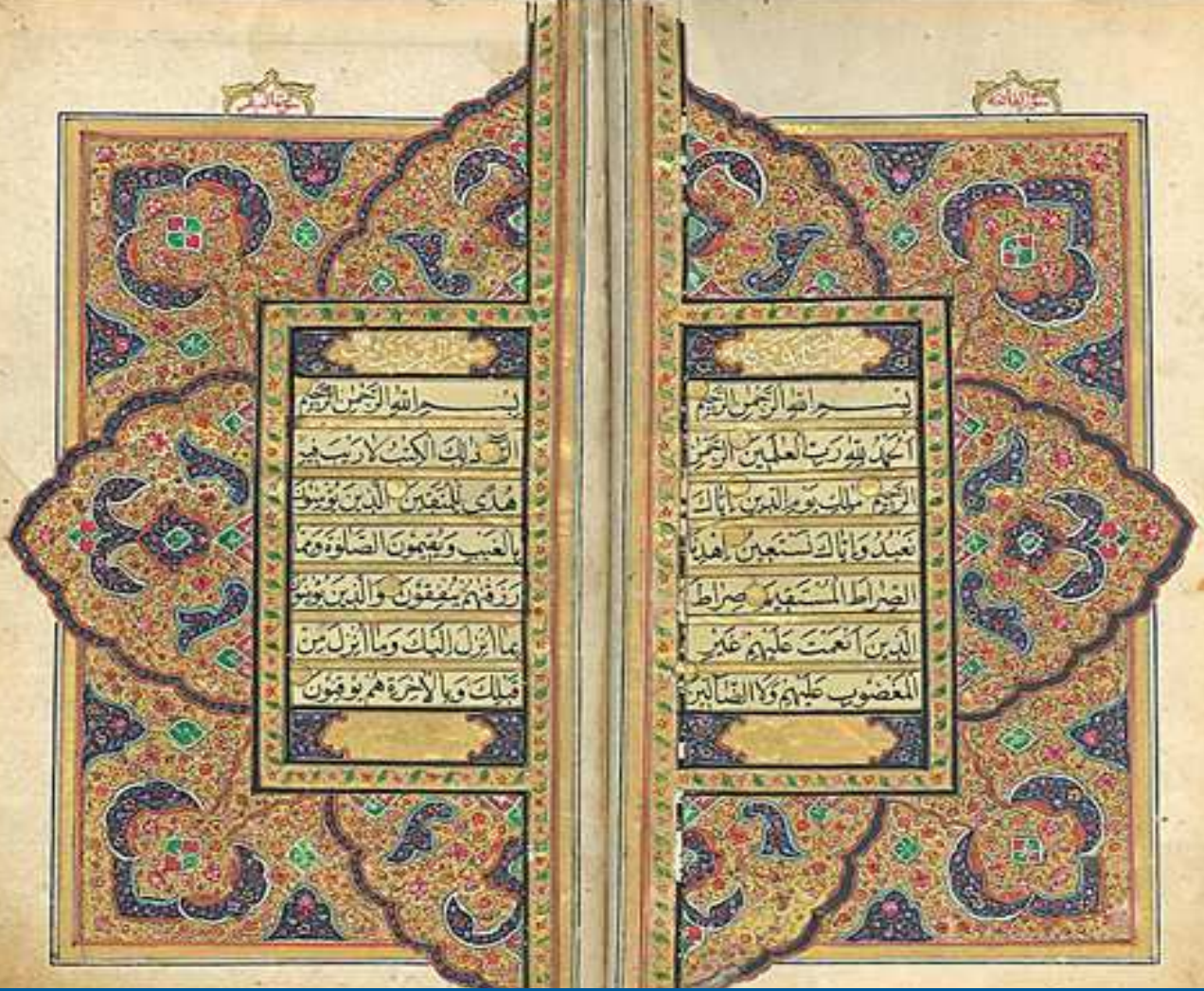
متعارف کرائے ہیں وہ کسی ایک شخص نے نہیں بلکہ کئی جماعتوں نے مل کر بنائے ہیں، ان میں کئی ایسے لوگ بھی شامل ہیں جنہیں آج بے اللہ مفکرین اپنا امام مانتے ہیں، بڑے بڑے دماغ اپنی تمام تر صلاحیتوں اور اپنی مکمل زندگی ان مسائل کے لیے وقف کر چکے لیکن حیرت انگیز بات ہے کہ آج تک انسان اللہ ہی ہدایت کے بغیر اپنی زندگی کا ایک قانون بھی دریافت نہیں کر سکے ہیں۔ بلکہ اپنے نفس اور الیس کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ کہیں اشتراکیت کی تبلیغ کی جاتی ہے تو کہیں سرمایہ دارانہ نظام کے نفاذ کے لیے کوششیں کی رہی ہیں، کہیں فاشزم کے حق میں انسانوں کا مجمع کھڑا ہو جاتا ہے تو کہیں لادینی جمہوریت کے نغے گائے جاتے ہیں۔ غرض کہ یہ سارے نظام جو فکر انسانی کا نتیجہ تھے، عملی دنیا میں اپنی کھوکھلی بنیادوں کی وجہ سے شکست کھا کر گر پڑے ہیں، ان باطل نظاموں کی دھجیاں خود وقت اور زمانے نے بکھیر دیں اور باشعور انسانوں نے اپنے سارے شکست خوردہ نظاموں سے یہ مشاہدہ کر لیا ہے کہ جدید تمدن کی سرسبز وادی کی جھاڑیوں میں چھپے ہوئے شیر و پلنگ سے بچنے کا ایک ہی رستہ ہے اور وہ ہے **اللہ کا رستہ۔ نظام عدل!**۔۔۔ انسانی عقل کی ان ناکامیوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ انسانی عقل سے دریافت کردہ وہ نظام جس کی بنیاد باطل اصولوں پر ہو وہ کبھی قائم نہیں رہ سکتا، اس کی کمزوریوں کا مشاہدہ کر کے اس کی چاہے کتنی ہی مرمت کر لی جائے، اسے چاہے کتنی احتیاط، دانشمندی اور تدبیر کے ساتھ چلایا جائے، انسانیت کو تنزل کے تاریک غار میں ہی لے جاتی ہے۔ انسانیت کے تمام معاملات میں اللہ کا قانون ہی مسائل کا حل ہے اور اسی کی عطا کی ہوئی ہدایت میں وہ تمام بنیادی اصول موجود ہیں جو انسان اور انسانیت کی بقا کے لیے ناگزیر ہیں۔ انسان اپنی عقل کے گھوڑے جتنی ہی رفتار سے چلا دے لیکن کہیں نہ کہیں قدرت اس کی لگام کھینچ لیتی ہے اور یہ واضح کر دیتی ہے کہ انسان تا قیامت آسمانی ہدایت کا محتاج رہے گا، اس کے بغیر انسانیت کی فلاح کا تصور ناممکن ہے۔

### کچھ مصنف کے بارے میں

حافظ محمد شارق صاحب کا تعلق کراچی سے ہے۔ آپ کو پاکستان کے سب سے کم عمر مصنف و محقق ہونے کا اعزاز حاصل رہا ہے۔ آپ اس وقت درس نظامی کے آخری درجوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ وفاقی اردو یونیورسٹی سے علوم اسلامیہ میں بی ایس کر رہے ہیں اور ساتھ ہی کراچی میں ایک تعلیمی و تحقیقی ادارے سے وابستہ ہیں۔ آپ آئی ایس پی کے اسٹڈیز پراجیکٹ کے ہیڈ ہیں۔ حافظ صاحب کی دلچسپی کا میدان تقابلی ادیان ہے۔ اسی موضوع پر آپ مختلف ورکشاپس بھی منعقد کر چکے ہیں۔ تقابلی مطالعے پر مبنی کتاب ’ہندو دھرم اور اسلام‘ ان کی باقاعدہ پہلی تصنیف ہے، اس کے علاوہ موصوف اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں قابل ذکر مذاہب عالم اور اسلام، دین اور ہرم، اسلام اور معاشرتی زندگی، وحی اور انسان، ”دین اکبری اور شریعت کی مخالفت“ شامل ہے۔ اس کے علاوہ ایک انگریزی کتابچہ ”How to read and write devanagari Script“ بھی ہے۔ مختلف موضوعات پر آپ کے آرٹیکلز و کتب اس بلاگ پر موجود ہیں۔

<http://truewayofislam.blogspot.com>





# مسلم عن وجہ کے دور میں علوم القرآن کا ارتقاء (750 سے 258 عیسوی تک)

محمد مبشر نذیر (جدہ، سعودی عرب)

اصول تفسیر سے مراد وہ علم ہے جس میں تفسیر کرنے کے طریقے کو بیان کیا جاتا ہے۔ ابتدائی صدیوں میں ہمارے علم کی حد تک اس فن پر الگ سے کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ تاہم مفسرین اپنی اپنی تفسیر کے مقدموں (Prologues) میں اس علم کے اصول بیان کرتے رہے ہیں۔ اصول تفسیر پر نہایت ہی اہم کام اصول فقہ اور اصول حدیث کے تحت ہوا۔ پانچویں صدی ہجری کے میں ایک مفسر ابو النصر الحدادی نے ایک کتاب ”المدخل لعلم التفسیر کتاب اللہ تعالیٰ“ لکھی۔ پھر ایک اور عالم عبد الرحمن الحرالی (d. 638/1241) نے اس فن میں ایک کتاب ”مفتاح اللب المقفل لفہم القرآن المنزل“ لکھی۔ اصول تفسیر اور علوم القرآن پر زیادہ تر کام ہمارے زیر مطالعہ دور کے بعد ہوا ہے۔

اس زمانے میں علوم القرآن کے عنوان سے ایک فن وجود میں آیا، جس میں قرآن مجید سے متعلق مباحث بیان کیے جاتے ہیں۔ اس میں قرآن کے



نزول کی تاریخ، نسخ و منسوخ، اسباب نزول اور اس نوعیت کے مباحث بیان کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں پہلی کتاب الحونی (d. 430/1039) نے لکھی۔ پھر چھٹی صدی میں ابو الفرج بن جوزی (d. 597/1201) نے اس موضوع پر دو کتب لکھیں۔ ساتویں صدی میں سخاوی (d. 643/1246) اور مقدسی (d. 665/1267) نے علوم القرآن پر مستقل کتابیں لکھیں۔

### مصنف کے بارے میں

یہ مضمون محمد مبشر نذیر کی کتاب "تہذیبی دور کا عروج، علمی تاریخ" سے لیا گیا تھا۔ تہذیبی دور کی مکمل تصنیف "امت مسلمہ کی دعوتی، علمی، فکری اور تہذیبی تاریخ" ہے جو کئی حصوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں علوم قرآن کے ارتقاء کے علاوہ علمی تاریخ کے تہذیبی دور کا مختصر مگر جامع احاطہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مصنف محمد مبشر نذیر آن لائن اسلامک اسٹڈیز پروگرام کے بانی ہیں۔ ان کا تعلق پاکستان میں جہلم سے ہے۔ اس وقت جدہ میں مقیم ہیں جہاں وہ ایک آڈیٹنگ کمپنی میں مینیجر کے عہدے پر فائز رہے۔ آپ ایک علم دوست شخصیت ہیں۔ اسلامی سکالر ہونے کے ساتھ ساتھ آپ اسلام کے تاریخی مقامات کی سیاحت ان کا پسندیدہ شوق ہے۔ خطہ حجاز کے علاوہ اردن، مصر، ترکی اور کئی تاریخی مقامات کی سیاحت کر چکے ہیں۔ مبشر نذیر ایک اچھے سیاح ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے محقق اور قلم کار بھی ہیں۔ قرآنی عربی، علوم القرآن، علوم الحدیث، مسلم تاریخ اور تقابلی مطالعہ، تعمیر شخصیت سمیت کئی کتابوں اور تحقیقی مقالوں کے مصنف ہیں۔ ان میں سے کئی کتب شائع بھی ہو چکی ہیں اور اسلامک اسٹڈیز پروگرام سمیت بعض یونیورسٹیز میں بھی شامل نصاب ہے۔ متعدد رسائل و اخبارات میں آپ کے مضامین بھی شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی دیگر کتب و آرٹیکل کا مطالعہ کرنے کے لیے اس سائٹ پہ وزٹ کریں۔

[www.mubashirnazir.org](http://www.mubashirnazir.org)



# مسجد نبوی ﷺ کا قیام اور تاریخی کردار

حصہ اول

شبانہ نورین (پشاور)

## تعارف موضوع

تاریخ گواہ ہے کہ مساجد اور مدارس دین اسلام کی تبلیغ و ترویج کے مراکز رہے ہیں۔ ہجرت مدینہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلے اقامت الصلوٰۃ اور مسلمانوں کی دینی تربیت کی طرف توجہ دی۔ لہذا آپ ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ کی بنیاد رکھی۔ مسجد نبوی ﷺ ایک نہایت سادہ مسجد تھی لیکن مسلمانوں کے لئے کثیر المقاصد مرکزی حیثیت رکھتی تھی۔ جہاں پر عبادت الہی کے علاوہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام پاتا تھا۔ یہاں پر مسلمانوں کے اخلاق سنوارے جاتے تھے اور نبی کریم ﷺ مسلمانوں کے ساتھ معاملات عامہ پر گفتگو فرماتے تھے۔ الغرض اس ابتدائی مسجد کو امت مسلمہ کے نئے معاشرے کا دارالندوہ، دارالامارہ اور دارالتعلیم کا درجہ حاصل تھا۔ مسجد نبوی ﷺ کے تاریخی کردار کو اجاگر کرنے کے لئے ہمیں ان مراحل پر غور کرنا ہو گا جن کی وجہ سے مسجد نبوی ﷺ کی اہمیت ایک تاریخی مسلمہ حقیقت بن جاتی ہے۔ اور مسلمانوں کی علمی، سیاسی، ثقافتی، اصلاحی اور اخلاقی تربیت کا منہج واضح ہوتا ہے۔ جو امت مسلمہ کے لئے تاقیامت مثالی رہنمائی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔



## مسجد کی تعریف

مسجد عربی زبان کے لفظ ”سجد“ سے بنا ہے۔ جس کے معنی خشوع خضوع اور عاجزی سے سر جھکانا اور عبادت کے ارادہ سے سر کو زمین پر رکھنا ہے۔ اصطلاح میں مسجد سے مراد وہ مقام یا جگہ ہے جہاں مسلمان بغیر کسی رکاوٹ کے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کے لئے جاسکیں۔ بقول الزجاج ”ہر وہ جگہ جہاں عبادت کی جائے وہ مسجد ہے۔“ (۱) چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا (۲)

”اور بنائی گئی ہے میرے لئے زمین کو مسجد اور پاکیزہ“

اسلام میں مسجد کو عبادت، تعلیم و تربیت، ثقافت اور تہذیب و تمدن کے اعتبار سے مرکزی مقام حاصل رہا ہے۔ بلکہ مسلمانوں کی تمام سرگرمیوں کا مرکز و منبع مسجد ہی تھا۔ ہمیشہ سے مساجد اور مدارس ہی دین اسلام کی آبیاری اور تبلیغ و ترویج کے مراکز رہے، اور مستقبل میں بھی قیامت تک انشاء اللہ یہی مراکز دین کی آبیاری اور سیرابی کا ذریعہ رہیں گے۔ انہی کے سائے میں بیٹھ کر ہر زمانہ میں قراء نے تعلیم قرآن، مفسرین نے تفسیر قرآن، محدثین نے حدیث اور علماء کرام نے جمال، اخلاق و کردار ایک ایک مسئلہ اور حکم امت کو پڑھایا، سمجھایا اور ان تک پہنچایا۔

مسجد کا صحیح اور کامل قیام مدنی دور میں ممکن ہوا۔ جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ منورہ کے ایک قریبی مقام قبا میں چودہ دن یا اس کے لگ بھگ قیام فرمایا اور اس دوران وہاں مسجد تعمیر فرمائی۔ یہ پہلی مسجد تھی جو اسلام میں باقاعدہ طور پر تعمیر کی گئی۔

## مسجد نبوی ﷺ کی بنیاد اور تعمیر

دنیا کی اس اہم ترین مسجد ”مسجد نبوی ﷺ“ کی تعمیر کا آغاز ۱۸ ربیع الاول سنہ ۱ھ کو ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت کے فوراً بعد اس مسجد کی تعمیر کا حکم دیا۔ مسجد نبوی ﷺ دراصل جس جگہ قائم کی گئی وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے سامنے دو یتیم بچوں کی ملکیت کی زمین کا ایک ٹکڑا تھا۔ اس زمین کے ورثاء اور سرپرست اسے ہدیہ کرنے پر بضد تھے۔ اور اس بات کو اپنے لئے بڑا اعزاز سمجھتے تھے کہ ان کی زمین شرف قبولیت پا کر مدینہ منورہ کی پہلی مسجد بنانے کے لئے استعمال ہو جائے مگر نبی کریم ﷺ نے بلا معاوضہ زمین قبول نہ فرمائی۔ اس لیے دس دینار قیمت طے پائی اور آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس رقم کی ادائیگی کا حکم فرمایا۔ (۳) فتح الباری میں ہے کہ زمین کی قیمت حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے ادا کی تھی جبکہ زرقانی میں ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے اس زمین کے معاوضہ میں سہل و سہیل رضی اللہ عنہ کو بنویاضہ میں اپنا ایک باغ دیا تھا۔ (۴) زمین خریدنے کے بعد اس پر تعمیر شروع کر دی گئی، سب سے پہلے نبی کریم ﷺ نے ایک پتھر اٹھایا پھر حضرت ابو بکر صدیق، پھر حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے ایک ایک پتھر اٹھایا اور تعمیر کا کام شروع کیا،

کریم ﷺ خود بھی کام کرتے رہے۔ تھکن مٹانے کے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم رجز پڑھتے تھے۔ نبی کریم ﷺ بھی آواز ملاتے اور فرماتے جاتے تھے:

### اللهم انه لا خير الا خيرا الاحزة..... فانصر الانصار والمهاجرة

”اے اللہ کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے۔۔۔۔۔ انصار اور مہاجرین کے ساتھ مدد کرو۔“

دیواروں کی بنیادیں ساڑھے چار فٹ گہری کھودی گئیں اور ساڑھے چار فٹ زمین سے اوپر بھی چوڑے اور پتھر کی دیواریں بنائی گئیں۔ ان کے اوپر کئی اینٹیں لگائی گئی۔ اس مسجد کے تین دروازے اور صحن تھا۔ مشرقی دروازے سے آپ ﷺ آیا کرتے تھے اس باب کا نام ”باب آل عثمان“ تھا جس کو آج کل ”باب جبرائیل“ کہتے ہیں۔ ایک دروازہ مغرب کی جانب بیت المقدس کی طرف تھا۔ جب تحویل قبلہ کا حکم آیا تو قبلہ خانہ کعبہ کی طرف یعنی جنوب کی طرف کر دیا گیا۔ جو ”باب الرحمة“ کے نام سے مشہور تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عہد رسالت ﷺ میں مسجد کچی اینٹوں سے تعمیر کی گئی تھی۔ چھت میں کھجور کی لکڑی اور پتے استعمال کیے گئے تھے۔ کبھی بارش ہوتی تو چھت ٹپکنے لگتی تھی۔ خلافت صدیقی میں جوں کی توں رہی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اسے دوبارہ انہی بنیادوں پر استوار کیا۔ البتہ اس کے ستون کھجور کے بجائے عمارتی لکڑی کے بنائے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس میں کئی تبدیلیاں کیں۔ چنانچہ مسجد کی دیواریں منقوش پتھر اور چوڑے سے بنائیں۔ اس کے ستونوں میں بھی منقوش پتھر ہی استعمال کیا۔ چھت گوان کی لکڑی سے تیار کی گئی۔

### مسجد نبوی ﷺ کی فضیلت قرآن و سنت کی رو سے

قرآن کریم کی سورۃ التوبہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا الْمَسْجِدُ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ  
الْمُطَهَّرِينَ۔ (سورۃ التوبہ آیت 108)

”جو مسجد پہلے روز سے ہی تقویٰ کی بنیاد پر بنائی گئی ہے وہ اس بات کے لئے زیادہ موزوں ہے کہ تم اس میں (عبادت کے لئے) کھڑے ہو، اس میں ایسے لوگ (عبادت کرنے) آتے ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“

اس آیت میں مسجد نبوی ﷺ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مختلف احادیث مبارکہ سے بھی مسجد نبوی ﷺ کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ:

لَا تَشُدُّوا الرِّحَالَ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِي هَذَا وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى (۸)

”تین مساجد کے علاوہ کسی دوسری مسجد کا (زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے) سفر اختیار نہ کیا جائے۔ ۱: مسجد نبوی ﷺ، ۲: مسجد الحرام اور ۳: مسجد اقصیٰ۔“

دوسری جگہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمَنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمَنْبَرِي عَلَى حَوْضِي (۹)

”کہ آپ ﷺ کے منبر شریف اور حجرہ مبارک کا درمیانی حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے“

ایک اور جگہ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ:

صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِي سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ (۱۰)

”اس مسجد میں ادا کی جانے والی نماز باقی سب مساجد سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے۔“ (جاری ہے۔۔)

آئندہ شمارے میں

♦ اصلاح معاشرہ میں مسجد نبوی ﷺ کا کردار

♦ مجلس شوریٰ و مرکز درس و تبلیغ

♦ یونیورسٹی و عدالت

حوالہ جات:

۱: موسوعہ: مسجد، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، ج ۲۰، ص ۶۰۱

۲: ایضاً، ص: ۶۰۶، ۶۰۱

۳: امام بخاری، محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ البخاری، المتوفی ۲۵۶ھ، الجامع الصغیر، دار الشعب، القاہرہ، طبع ۱۹۸۷ء، ج ۱، ص ۱۱۹، رقم ۵۶

۴: ظفیر الدین صاحب پورہ، اسلام کا نظام مساجد، دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی، ص ۲۲



۶: امیر علی خان، حیات صحابہ کا انسائیکلو پیڈیا، نظر ثانی ارسلان احمد، مشتاق بک کارنر، الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور، ص ۷۲

۷: طالب الہاشمی، سیرت میزبان رسول ﷺ ابو ایوب انصاری، طہ پبلی کیشنز ۲۲۷-۱۔ ملک جلال الدین (وقف) بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور، ص ۱۰۷

۸: شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ، الفیصل ناشران و تاجران کتب، غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور، ج اول، ص ۱۷۳، ۱۷۲

۹: ابن ثابت، سیرت النبی ﷺ، ج ۱، ص ۳۵۹

۱۰: شمیم حسین قادری سابق چیف جسٹس لاہور ہائیکورٹ۔ لاہور، اسلامی ریاست قرآن و سنت کی روشنی میں، ص ۳۰



# دعوت کے نبوی اسالیب

ناظم اشرف مصباحی (اعظم گڑھ۔ یوپی، بھارت)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات پاک کے مختلف مراحل میں مختلف طریقوں سے دعوت کا کام سرانجام دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتی زندگی میں خصوصی طور پر کئی اسالیب نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان پر تفصیلی روشنی ڈال رہے ہیں۔

## ۱۔ معروضی اسلوب

یعنی مدعو تک دین کی باتیں پہنچانے اور اس کے سامنے دین کو اچھے اور مناسب انداز میں پیش کرنے کا اسلوب۔ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کئی زندگی میں دعوت کا آغاز اسی اسلوب اور طریقے سے کیا کہ سب سے پہلے آپ نے مدعو کو حکمت اور نرمی کے ساتھ اسلام کی دعوت دی، اپنی رسالت پر مضبوط دلائل قائم فرمائے اور حسن اخلاق کے ساتھ دین کی باتیں پہنچائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا:

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ

اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ بلاؤ اور تنازع کی صورت میں احسن طریقے سے مجادلہ کرو۔ (سورۃ النحل: 125)

تاریخ کے اوراق ایسی مثالوں سے بھرے ہوئے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکمت بھرے انداز اور پیار و محبت کے ساتھ اپنا پیغام قوم تک پہنچایا اور ایسے مخلص لوگ جن میں تلاش حق کی جستجو ہوتی، اس پیغام پر لبیک کہتے ہوئے اسلام میں داخل ہو جاتے۔ چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسلام کی دعوت دی تو حضرت ابو بکر نے بلا کسی تردد کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت قبول کو کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اللہ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا تو تم لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور ابو بکر نے میری تصدیق کی، اور مجھ پر اپنی جان و مال واردیئے۔ (بخاری۔ کتاب فضائل صحابہ)

اسی طرح ایک واقعہ حضرت ضامد ثعبہؓ کے بارے میں منقول ہے، جو قبیلہ بنو ازد یمن کے رہنے والے تھے۔ ان کا آبائی پیشہ جھاڑ پھونک تھا۔ ایک مرتبہ وہ مکہ آئے اور لوگوں سے سنا کہ نعوذ باللہ محمد بن عبد اللہ مجنوں ہو گئے ہیں۔ حضرت ضامد نے کہا میں انہیں جھاڑ پھونک کے ذریعے ٹھیک کر دوں گا اور اسی مقصد سے وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے قرآن کی آیات تلاوت فرمائیں۔ قرآن مجید کی روح پرور آیات سن کر انہوں نے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ایک بار پھر اس کلام کو پڑھیں تاکہ میں اپنی زبان سے اسے دوہرا سکوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی فرمائش پہ تین بار ان آیات کو دہرایا۔ حضرت ضامد یہ کلام پاک سن کر گویا ہوئے:

”میں نے کاہنوں، ساحروں اور بڑے بڑے شاعروں کا کلام سنا ہے لیکن بخدا کبھی ایسا کلام سننے کو نہ ملا۔ اس کے بعد وہ کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام میں داخل ہو گئے۔“ (مسلم، کتاب الجمعہ، باب تخفیف الصلاة)

## ۲۔ مجادلہ احسن

جب مدعو بغض و عناد پر اتر آئے، حق کا انکار کیا جانے لگے، داعی اور ان کی دعوت اعتراضات و شبہات کے گھیرے میں آجائے تو داعی کو چاہیے کہ احسن طریقے سے مجادلہ کرتے ہوئے مضبوط اور ناقابل انکار دلائل سے مخاطب کو مبہوت کر دے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اے محبوب کیا تم نے فرعون کو نہ دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں مجادلہ کیا جب اللہ نے اسے بادشاہی دی، ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو مارتا اور جلاتا ہے۔ فرعون نے جواب دیا ”میں بھی مارتا اور جلاتا ہوں۔ ابراہیم نے فرمایا کہ اللہ سورج کو پورب سے نکالتا ہے اگر تو رب ہے تو اس کو پیچھم سے نکال، تو کافر کے ہوش اُٹ گئے“ (بقرہ 258)

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ایک مجادلہ مستدرک حاکم میں اس طرح منقول ہے کہ ایک مرتبہ عاص بن وائل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آیا اور بولا کہ اے محمد کیا اللہ اس کے سڑ جانے کے بعد بھی اس کو دوبارہ زندگی دے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، اللہ اسے تو زندگی دے گا ہی، تمہیں بھی موت سے ہم کنار کرے گا پھر زندہ کرے گا اور جہنم میں داخل کرے گا۔ اسی وقت یہ آیت بھی نازل ہوئی ”کیا آدمی کو نہیں معلوم کہ ہم نے اسے پانی کی بوند سے پیدا کیا، اس کے باوجود وہ اس قدر جھگڑا لو ہے!“

### ۳۔ تالیفی اسلوب

یعنی جو لوگ اسلام کی طرف مائل ہوں یا اسلام لاپچھے ہوں مگر اسلام سے پھر جانے کا اندیشہ ہو یا کسی کی طرف سے اسلام کو خطرہ ہو تو ایسی صورت میں ان پر کسی طرح احسان کر کے انہیں اسلام کی طرف مائل کرنے یا اسلام پر قائم رکھنے کی کوشش کرنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طرح سے لوگوں کے دلوں کی تالیف کی۔

۱۔ کبھی ان کی غلطیوں کو معاف کر کے۔ جیسا کہ فتح مکہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام لوگوں کو معاف فرما دیا جس کی وجہ سے لوگ گروہ درگروہ اسلام میں داخل ہوئے۔

۲۔ کبھی ان کو کچھ مال دے کر۔ جیسا کہ جنگ حنین کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرع بن حابس وغیرہ کو کثیر تعداد میں اونٹ اور بکریاں عطا فرمائیں۔ (بخاری، کتاب الخمس) اس مثال کے بارے میں محدث امام نووی فرماتے ہیں کہ: ”اس میں دلیل ہے کہ اہل باطل پر تالیف قلب کے لیے مال خرچ کرنا جائز ہے۔ (شرح صحیح مسلم)

البتہ جن کو اسلام لائے ہوئے ایک عرصہ ہو گیا ہو ان کو دینا جائز نہیں بلکہ ان کو مال زکاۃ سے دینے کا حکم ساقط ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے منع کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ اگر کسی کے اسلام لانے کی امید ہو، یا اسلام میں نیا ہو یا اس کے ذریعے بہت سے لوگوں کے اسلام کی امید ہو یا اس کے شر سے مسلمان محفوظ رہیں تو ایسی صورت میں ان کو مال زکاۃ سے دے سکتے ہیں۔

۳۔ کبھی کسی قبیلے میں ازواجی رشتہ قائم فرما کر۔ جیسا کہ جویریہ بنت حارث سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح فرمایا جس کی وجہ سے اسلام کو کافی فائدہ ہوا۔

دعوت کے یہ نبوی اسلوب ہمارے لیے نمونہ عمل ہیں۔ اب ہم ان اسالیب کے طریقوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

### اسلوب تبلیغ و پیش کش کے طریقے

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت پیش کرنے میں موقع و محل کے اعتبار سے (۱) کبھی ترغیب اور بشارت سے کام لیا (۲) کبھی ترہیب و انذار



سے اور جب ضرورت پڑی تو (۳) احسن طریقے پر مجادلہ بھی فرمایا۔

## انذار و تبشیر

تبشیر کا مطلب ہے اچھے مستقبل کی بشارت اور خوش خبری کے ذریعے لوگوں کو نیک کاموں کی تلقین کرنا۔ اور انذار کا مطلب ہے انسانوں کو اللہ کے قانون سزا و جزا سے خبردار کرنا۔ قرآن پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان دونوں صفتوں کا ذکر یوں کیا گیا ہے

بیشک ہم نے آپ کو علم حق کے ساتھ بشارت سنانے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا۔ (فاطر 24)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل چونکہ اہل مکہ کے دلوں میں آخرت اور سزا و عذاب کا تصور بھی نہ تھا اس لیے امام الداعیین صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ایک خدا پر ایمان لانے کی ترغیب دی اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا اور دل میں خدا کا خوف پیدا کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیت کریمہ (اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈراؤ) نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا چڑھ گئے اور مختلف قبیلوں کا نام پکار کر انہیں جمع کیا، اسلام کی دعوت دی اور فرمایا

”میں تمہیں خبردار کر رہا ہوں کہ تمہارے سامنے خوف ناک عذاب ہے۔“ (بخاری، کتاب الرقاق)

یہاں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ آج بھی پوری دنیا بشمول امت مسلمہ اسی نفسیاتی صورتحال کا شکار ہے۔ لوگوں میں معاشرتی، سماجی اور اخلاقی برائیاں عروج پر ہیں، سب دین سے دوری، بد اعمالی اور اللہ و رسول کی نافرمانی میں سبقت لیے جا رہے ہیں، عوام ہو یا خواص ہر ایک نے اپنے نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہے۔ اور خوفِ آخرت کی کیفیت یہ ہے کہ ہر شخص نے موت کو محض دوسروں کے لیے ہی سمجھ رکھا ہے اور آخرت میں جو ابد ہی کا کوئی احساس نہیں ہے۔ آج اور اُس وقت کے مکہ کی صورت حال میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ لہذا آج بھی ایک داعی کو چاہیے کہ وہ سیرتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس پہلو سے استفادہ کرتے ہوئے ترہیب و انذار کے طریقے سے اپنی بات دوسروں تک پہنچائے۔ لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف پیدا کرے، قیامت، آخرت، حساب و کتاب، عذاب قبر اور عذاب جہنم کا تصور ان کے دلوں میں راسخ کرنے کی کوشش کرے۔

اس کے لیے ہمیں اپنے مخاطبین کی نفسیاتی کیفیت کو بھی دیکھنا چاہیے۔ جس کے دل میں خدا کا خوف نہ ہو، فسق و فجور اور بے عملی میں ملوث ہو اس کے سامنے بشارت و ترغیب کی احادیث پڑھنا غیر ضروری ہے۔ اسی طرح جو شخص برائیوں میں مبتلا ہو مگر راہِ حق پر محض اس باطل خیال کی وجہ سے نہ آتا ہو کہ اس کی توبہ قبول نہ ہوگی، اسے توبہ اور رجوعِ خداوندی کی بشارت سنانی چاہیے۔

## ذرائع ابلاغ کا استعمال

دعوت کے لیے ذرائع ابلاغ کے استعمال کی ضرورت و اہمیت کل بھی تھی اور اس سے بھی زیادہ آج ہے۔ ہمارے ارد گرد ہزاروں کی تعداد میں ایسے

لوگ ملیں گے جنہیں دین کی دعوت کی ضرورت ہے۔ خصوصاً دیہات کے علاقوں میں ایسے لوگ کثرت سے ملیں گے جو اسلام کی بنیادی باتوں سے بھی ناواقف ہیں۔ بعض تو ایسے ہیں جنہیں کلمہ تک کا پتہ نہیں ہے، دوسری طرف عصری تعلیم یافتہ طبقہ ماڈرن طرز زندگی سے جس قدر قریب ہے اسی قدر دین سے دور ہے۔ پھر ہم جس ملک میں رہتے ہیں اس میں کروڑوں لوگ شرک و کفر کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان سبھی تک ان کی ضرورت کے مطابق دین کی باتیں حکمت، محبت اور نرمی کے ساتھ پہنچانے کی ذمہ داری ایک داعی کی ہے۔

### انٹرنیٹ اور ٹیلیوژن

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اپنی بات پہنچانے کا حکم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس زمانے کے سب سے بہترین میڈیا یعنی ایک اونچی جگہ کوہ صفا کا انتخاب فرمایا۔ آج اگر داعی کو اپنی بات پہنچانی ہے تو اسے آج کے الیکٹرانک میڈیا یعنی ٹیلیوژن، انٹرنیٹ وغیرہ کو ذریعہ بنانا ہوگا۔ اس سے عوام و خواص سب تک داعی کی بات بآسانی پہنچ جائے گی۔

### مساجد

مساجد کو بھی دعوت کا ذریعہ بنایا جاسکتا ہے جس میں ہر روز کسی نماز کے بعد یا ہفتہ وار درس و نصیحت کا پروگرام رکھا جائے۔ جس سے مذہبی افراد کو دین میں پختہ کیا جاسکے گا۔ اس کے علاوہ مساجد میں عورتوں کے لیے بھی درس و تدریس کا انتظام کیا جائے۔ اس کے لیے کوئی ایک دن بھی مقرر کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعرات کا دن عورتوں کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ تاکہ انہیں بھی سیکھنے کے مواقع فراہم کیے جائیں۔

### کتب و رسائل اور فنونِ لطیفہ

کتب و رسائل کے ذریعے بھی لوگوں کے ایمان و اخلاق کی تربیت کرنا دورِ حاضر کے تناظر میں انتہائی اہم ہے۔ اس کے لیے ادب مثلاً شاعری، ناول، افسانے، کہانی وغیرہ یا دیگر فنونِ لطیفہ کا بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

ایک داعی کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دعوتی اسلوب کا حامل ہونا ضروری ہے۔ ہمیں چاہیے کہ قصہ گو مقررین کے بجائے ہم ایسی داعیانِ اسلام کو اپنے محافل میں بلائیں جو صاحب علم، مخلص اور ملت کا درد رکھنے والے باکردار افراد ہوں اور انہیں غیر ضروری باتوں میں نہ الجھا کر آخرت کے لیے تیار کریں۔



## تربیت

نویڈ شاہد

ہمارے معاشرے میں زیادہ تر لوگ اپنی اولاد کے بگڑ جانے کی شکایت کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے مطابق وہ اپنی اولاد کو اچھا کھلاتے پلاتے، اچھے تعلیمی اداروں میں بھرتی کراتے اور ہر طرح کی ممکنہ خواہشات پوری کرتے ہیں مگر اس کے باوجود ان کی اولاد بگڑ رہی ہوتی ہے۔

یہ سب آسائشیں اولاد کو ان کی بہتری کے لیے مہیا کرنے کے باوجود سب سے اہم پہلو جس کو اکثر والدین نظر انداز کر دیتے ہیں وہ ہے "تربیت"۔ ہمارے لوگ پیسہ کمانے کے لیے دن رات ایک کر دیتے ہیں۔ لیکن جن کے لیے کماتے ہیں ان کو ذرا بھی وقت نہیں دے پاتے، ان کی شخصیت کے بارے میں کوئی فکر نہیں کرتے اور ان کی ذرہ برابر بھی تربیت نہیں کر پاتے۔ یہ سچ ہے کہ انسان جتنا وقت کمانے پر لگاتا ہے اگر اس کا ایک چوتھائی بھی اپنی اولاد کی تربیت کیلئے وقف کر دے تو اس سے ناصرف یہ کہ اولاد خوش ہوتی ہے بلکہ ان کی شخصیت کی تعمیر بھی اعلیٰ اقدار پر کی جاسکتی ہے۔ اس طرح معاشرے کی اصلاح بھی ہوگی اور ایک دن سارا معاشرہ باشعور اور مہذب بن جائے گا کیونکہ معاشرہ افراد کا ہی مجموعہ ہے اور اگر ہر شخص اپنے آپ اور اپنی اولاد کو بہتر کرنے کے ساتھ دوسروں کی بھی رہنمائی کرے تو چند ہی سالوں میں ہم مہذب قوموں میں شمار ہوں گے۔

مگر ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم لوگ سمجھتے ہیں کہ معاشرے میں آسان زندگی گزارنے کے لیے صرف پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے اور اس لئے ہم ساری کی ساری زندگی صرف پیسہ کمانے میں گزار دیتے ہیں۔ جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے کہ زندگی میں پیسے کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں ہیں جن کے بغیر زندگی ادھوری رہ جاتی ہے۔ شعور، اخلاق اور تربیت بہت اہم چیزیں ہیں جن کے بغیر اچھی زندگی گزارنا ناممکن ہے۔ لیکن افسوس کہ ہماری قوم کی اکثریت ان تینوں چیزوں سے عاری ہے۔ ہم لوگ تعلیم حاصل کرتے ہیں تو پیسے کمانے کے لیے۔ نوکری یا ملازمت کرتے ہیں تو صرف اور صرف پیسہ کمانے کے لیے۔

ہماری ہر جدوجہد کا مقصد مادی خواہشات کا حصول ہوتا ہے۔ ملک و قوم کی خدمت اور فرائض کو امانداری سے انجام دینے کے بارے میں کبھی کوئی خیال ہمارے ذہن کے حاشیے میں بھی نہیں گزرتا اور یہی سوچ ہم اپنی اولاد میں منتقل کرتے ہیں۔

اس ضمن میں ایک اہم بات ہمارے معاشرے کا منافقانہ رویہ بھی ہے۔ ہمارا معاشرہ دوہرے معیار کا شکار ہے کتابوں میں بچوں کو پڑھایا جاتا ہے کہ جھوٹ بولنا گناہ اور سب برائیوں کی اپنے ماحول میں) آتا ہے تو اس سے دروازے پر کوئی آئے تو اس سے جن سے کام ہے وہ گھر پر نہیں ہوتے ہیں۔

جڑ ہے۔ لیکن جب وہی بچہ گھر (واپس

جھوٹ بلوایا جاتا ہے۔ جب باہر

کہلوایا جاتا ہے کہ ان سے بول دے

جبکہ حقیقت میں موصوف گھر پر ہی

ہمارے معاشرے کا المیہ اصل میں دوہرا معیار ہے۔

اس کی ایک مثال بچوں کو کتابوں میں سچ بولنے کی تاکید

کرنا اور جھوٹ کو برائی قرار دینا ہے۔ مگر یہی بچے جب

گھر کو لوٹتے ہیں تو والدین اپنی سہولت کے لیے کسی سے نا

نہایت ہی برا عمل ہے اور اس کا بہت

گھر، گلی اور سکول میں سننے کو ملتی ہے تو

کہ جو کچھ اس نے پڑھا ہے وہ صرف اور

ملنا چاہیں تو بچے کو جھوٹ بولنے کا کہہ دیتے۔ یہ جانے بنا

کہ اس کا اثر بچے کی تربیت پر منفی ہو گا۔

بچہ پڑھتا ہے کہ گالی گلوچ کرنا ایک

گناہ بھی ہے لیکن جب وہی گالی گلوچ

بچہ مایوس ہو جاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے

صرف کتابی باتیں ہیں اور ان کا حقیقت میں عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں اور ان کو صرف رٹنا اور یاد کر کے امتحان پاس کرنا ہے۔ یہ باتیں صرف

امتحان پاس کرنے کے کام آتی ہیں۔ یہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ ہم بچوں کو ادب کتابوں کی حد تک، امتحانات میں پاس ہونے کے لیے سکھا رہے

ہیں۔ جب کہ ہمیں ایسے پہلوؤں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔





## مثبت سوچئے، خوش رہیے

عظمیٰ عنبرین (ڈی۔ جی۔ خان)

ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے خوشیوں بھری، سکون کی زندگی مل جائے، مشکلات حل ہو جائیں۔ مگر یہ خواہش محض ایک نا تمام حسرت ہی رہتی ہے کیونکہ فی الحقیقت آپ کسی کی بھی زندگی کے صفحات کھول کر دیکھ لیں، وہ پریشانیوں میں گھرا ہوا نظر آئے گا۔ ہر ایک کی زندگی میں ایک سے بڑھ کر ایک پریشانیوں کی داستانیں بھری ہوتی ہیں۔ کسی کامیاب ترین یا "بڑے" شخص کی زندگی میں جھانک کر دیکھ لیں، وہ بھی اس چیز سے محفوظ نظر نہیں آئیں گے۔ البتہ اس صورتحال میں کرنے کا جو کام ہوتا ہے وہ یہ ہونا چاہیے کہ یہ تمام منفی کیفیات مستقل ہم پر طاری نہ ہو سکیں۔ ہمیں خود کو اس بات کے لیے تیار رکھنا چاہیے کہ تمام زندگی، کسی بھی لمحہ، کوئی بھی کیفیت ہمارا استقبال کر سکتی ہے۔ یہ کیفیات زندگی کی علامت ہیں، اگر مسائل نہ ہوتے تو آسودگی کی پہچان کیسے ہوتی۔ ماضی کو ہم بدل نہیں سکتے اور مستقبل کے حالات ہم انسانوں کے قبضہ قدرت میں نہیں ہوتے۔ اس حقیقت کو اگر سمجھ لیا جائے تو نہ ماضی کے تجربات مایوس کریں گے اور نہ ہی مستقبل کی فکر پریشان کرے گی۔ حالات درست کرنے کا یقینی فارمولہ اللہ پر کامل بھروسہ ہے، اس سے تمام تلخیاں اور تفکرات دور ہو سکتے ہیں اور دل بھی مطمئن رہتا ہے۔

مایوسی چھوڑیے

جن تلخ واقعات کی تلافی ممکن نہیں ہے ان کے بارے میں سوچتے رہنا محض ایک قسم کا جنون ہے۔ ان حالات کو سوچتے رہنا یا مایوس ہو جانا کسی بھی مسئلے کا حل نہیں ہے۔ اس لیے اللہ سے بہتری کی امید رکھیے اور مایوسی کو ختم کریں اور مثبت سوچیے اس سے آپ اندرونی سکون محسوس کریں گے۔

## غم کو قریب نہ آنے دیں

جب ہم غم و فکر میں مسلسل مبتلا رہتے ہیں تو مرض کو خود ہی دعوت دے رہے ہوتے ہیں۔ غم اور ذہنی دباؤ کا جسمانی صحت پر بھی برا اثر پڑتا ہے۔ اس کیفیت میں افاقہ کے لیے ڈھیلے ڈھالے انداز میں بیٹھ کر، آنکھیں بند کر کے خود کو پرسکون حالت میں تصور کریں، آہستہ آہستہ اور گہری سانس لیں۔ رنج و فکر کے تمام خیالات کو ذہن سے جھٹک دیں۔

## زندگی کا مقصد متعین کریں

اگر آپ صرف کھانے پینے، آرام کرنے اور پر تعیش زندگی گزارنے کو اپنا نصب العین بنائیں گے تو خوش اور پرسکون زندگی کے حصول میں ناکام ہو جائیں گے۔ اپنے لیے اپنی ذات سے کہیں بلند مقاصد متعین کیجیے، اپنی خدمات سے دوسروں کو مستفید کیجیے، دوسروں پر اعتماد کریں۔ یقین کیجیے کہ خلوص نیت کے ساتھ دوسروں کے کام آنے سے جو قلبی سکون حاصل ہوتا ہے اس کا کوئی مول نہیں اور وہ آپ کو اللہ سے بھی جوڑ دیتا ہے۔ کسی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں تو قرآن کریم کی اس آیت پر کاربند ہو جائیں جس میں کہا گیا ہے "ہم تو تمہیں صرف اللہ کے لیے کھانا کھلاتے ہیں، تم سے کوئی بدلہ اور شکریہ نہیں چاہتے" بس سمجھ لیں کہ یہ آپ کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے، آپ دیکھیں گے کہ یہ چیز آپ کی زندگی کا حصہ بنتی چلی جائے گی۔ اپنی کامیابی کی پیمائش اس بات سے نہیں کریں کہ اب تک کیا کیا ہے بلکہ اس چیز سے کریں کہ آپ کیا کر سکتے تھے جو آپ نے ابھی تک نہیں کیا۔

## اپنی ایک ڈائری بنائیں

اپنے معمولات کی ڈائری بنانے سے ہم منظم انداز میں تمام کاموں کو ان کی اہمیت کے مطابق پایہ تکمیل تک پہنچا سکتے ہیں۔ آج کل ہر انسان بے شمار مسائل میں پھنسا ہوا ہے۔ ایسے کاموں کا ایک ہجوم ذہن میں ہوتا ہے جنہیں مکمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ایسے میں کچھ باتوں کا ذہن سے نکل جانا ناممکن نہیں۔ بعض اوقات یہ صورتحال تلخیوں کا باعث بھی بن جاتی ہے، خصوصاً جب کسی سے کوئی وعدہ کر رکھا ہو اور دیگر کاموں میں مصروف ہو کر وعدہ پورا کرنا بھول جائیں اور لا پرواہی کا ٹھپہ لگ جائے۔ کبھی بچوں کی فیس یا اسکول کے دیگر معاملات نمٹانے ہوں یا بلوں کی ادائیگی کرنی ہو یا پھر کسی سے کوئی ضروری ملاقات طے کر رکھی ہو، ہر کام کو اس کی اہمیت کے مطابق سرانجام دینے کے لیے ڈائری بنالینا بہت مفید ہے۔

## تکلیف دہ یادوں سے جان چھڑوائیں

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہمیں دوسرے انسانوں کی باتیں تکلیف پہنچاتی ہیں۔ زندگی بے حد محدود ہے، رنجیدہ ہو کر اسے ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ ایسی تمام یادداشتیں جن کی بنیاد لوگوں کی تکلیف دہ باتوں پر ہو، ان کو بھلا دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔ ایسی باتوں پر قطعی کوئی توجہ نہ دی جائے، اگر ہم اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکیں گے تو ان کے مضر اثرات کی زد میں آجائیں گے۔

## دوسروں کی غلطیوں کو معاف کر دیں

درگزر اور محبت ایک ایسی طاقت ہے جس کے مثبت اثرات پوری کائنات میں محسوس ہوتے ہیں۔ محبت کا ایک ایک لفظ قلب کی گہرائیوں میں بسیرا

کر لیتا ہے۔ لیکن جب ہم کسی سے نفرت کرتے ہیں تو ہماری نفرت کا ان کو تو کوئی نقصان نہیں ہوتا لیکن ہم خود اپنے رویہ سے اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہے ہوتے ہیں۔ دوسروں سے محبت کر کے، ان کے لیے اچھے القابات استعمال کر کے ہم انسانیت کا احترام کر رہے ہوتے ہیں۔ ہماری بہت ساری معاشرتی خرابیوں کا باعث وہ کینہ اور بدگمانی ہوتی ہے جس میں ہم مبتلا ہو جاتے ہیں اور دوسروں کی ہر ادا کو اپنے خلاف سازش سمجھنے لگتے ہیں اس عمل سے جس قدر برے اثرات ہمارے اپنے قلب و دماغ پر پڑتے ہیں دیگر افراد پر نہیں پڑتے۔ اس لیے لوگوں کو معاف کر دیا کریں ان کے لیے نہیں خود اپنے لیے۔ بدگمانی، کینہ و حسد جیسی بیماریوں سے حتیٰ امکان بچا جائے اگر ایسی کوئی بیماری پیدا ہو جائے تو جس کے متعلق غلط فہمی یا بدگمانی ہے اس سے بات چیت کر کے اس کو ختم کر لیں۔ اسی طرح کینہ کو محبت سے اور حسد کو تحائف دے کر ختم کریں۔ یقین جانے ان سب کا فائدہ کسی دوسرے فرد سے پہلے خود آپ کو ہو گا۔

### مثبت سوچے خوش رہیے

ذہن کو اتنی بڑی طاقت حاصل ہے کہ مثبت خیالات کے ذریعہ نفسیاتی امراض پر بھی قابو پایا جاسکتا ہے۔ اپنے ذہن پر توجہ دیں۔ اسے دلکش بنائیں تاکہ دل گرفتگی، مایوسی، حسد جیسے جذبات قریب نہ آئیں۔ سب کی بہتری کے بارے میں سوچیں، سب کے خیر خواہ بنیں۔ خوش گوار خیالات پریشانیوں کو دور کرنے کا بہترین نسخہ ہیں۔ اللہ سے اچھی امید رکھنی چاہیے، وہ بندے کے گمان کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ فرماتے ہیں۔

اللہ آپ کے رونے کو پسند کرتا ہے (اپنے لیے) اور انسان مسکراہٹ کو۔ اس لیے انسانوں کو مسکراہٹ دیں اور آنسو خالص اللہ کے لیے رکھ لیں۔ دکھ لوگوں کو بتانا چھوڑ دیں۔ اپنے سب دکھ اللہ سے شیئر کریں جو واقعی مددگار بھی کر سکتا ہے۔ لوگوں کو ہنسائیں انہیں خوشیاں دیں ان کے سامنے خوش رہیں۔

روئیں صرف اللہ کے لیے صرف اللہ کے سامنے،،،!!



# نیا مسافر

سید اسرار احمد (کراچی)

وہ اپنی راہ کا ایک بے غرض و بے لوث مسافر تھا، اپنی منزل کو پانے کی جستجو میں شہر کی ایک پرہجوم سڑک کے کنارے اپنی مطلوبہ بس کے انتظار میں پچھلے ایک گھنٹے سے ٹہل رہا تھا، گرمی اپنے عروج پر تھی جبکہ آس پاس کوئی سایہ دار درخت یا کوئی سائبان بھی موجود نہیں تھا جہاں بیٹھ کر شل ہوتی ہوئی ٹانگوں کو آرام دیا جاسکے۔ ہر دس پندرہ منٹ کے وقفے کے بعد ایک بس آتی لیکن وہ مسافروں سے اس قدر بھری ہوئی ہوتی کہ اُس میں چڑھنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

"یا خُدا، کوئی ایسی بس بھیج دے جس میں بیٹھنے کی ناسہی، کم از کم کھڑے ہونے کی جگہ تو مل جائے۔"

ابھی یہ الفاظ اُس کی زبان سے ادا ہی ہوئے تھے کہ ایک مسافر بس دور سے آتی ہوئی نظر آئی۔ قریب آنے پر معلوم ہوا کہ کھڑے ہونے کی جگہ تو ضرور مل ہی جائے گی، مسافر نے آگے بڑھ کر اشارے سے بس کو روکا، اور سوار ہو گیا۔

بس کے اندر داخل ہوتے ہی نئے مسافر نے ایک طائرانہ نگاہ آس پاس کی نشستوں پر ڈالی لیکن کوئی نشست خالی نہیں تھی، تمام ہی مسافر اپنی اپنی نشستوں پر براجمان محو سفر تھے، کسی کے نزدیک اس بات کی چنداں اہمیت نہیں تھی کہ نیا مسافر پچھلے ایک گھنٹے سے تپتی دوپہر میں مسلسل



کھڑے کھڑے بس کا انتظار کرتا رہا تھا اور اب اس میں ہمت نہیں تھی کہ مزید کھڑے رہ کر سفر جاری رکھ سکے، لیکن کسی کو مسافر کی اس حالت پر رحم نہ آیا۔

اب اس کے لبوں پر یہی دعا تھی کہ خدا کرے کوئی مسافر اگلے اسٹاپ پر اتر جائے تاکہ اُسے بھی بیٹھ کر سفر کرنے کی نعمت عظمیٰ مل سکے، ابھی وہ ان سوچوں میں گم ہی تھا کہ کنڈیکٹر نے آواز لگائی۔

"ارے بھائی صاحب، سب سے پیچھے والی سیٹ پر بیٹھ جائیے۔"

"سب سے پیچھے والی سیٹ؟"

"جی جی وہاں چار آدمیوں کی گنجائش ہوتی ہے، لیکن پانچواں آدمی بھی کچھ سمٹ سمٹ کر بیٹھ سکتا ہے"

کنڈیکٹر کی یہ بات پہلے سے موجود چار مسافروں کے لیے قدرے ناگوار تھی، گرمی اور حبس نے ویسے ہی جینا دو بھر کر رکھا تھا اب مزید کسی کو زبردستی بٹھانا کسی قربانی سے کم نہیں تھا۔

طوعاً و کرہاً انھوں نے نئے مسافر کا سمٹ کر تھا۔ ایک بڑے میاں تو اس بے آرامی پر ہوا کہ شاید نئے مسافر کے لیے اس سیٹ پر بعد نیا مسافر ایڈجسٹ ہو گیا، اور پہلوں کی بے درست تھی، بظاہر گنجائش کا نا ہونا صرف پُرانے مسافروں نے اپنے دلوں میں معمولی دی، بس کی دھکم پیل اور سڑک کی ناہمواری یہ ایک مثال ہے اُن تمام "نئے مسافروں" کے

**حقیقت یہ ہے کہ ادارے اور مشن شخصی حوصلوں کی بنیاد پر نہیں بلکہ اجتماعی مقاصد کی بنیاد پر چلتے ہیں۔ ہر شخص اپنی اپنی نشست پر اپنے انفرادی جذبات و مقاصد کی**

بیٹھنا گوارا کر ہی لیا۔ ہر شخص منہ بسور رہا باقاعدہ بڑبڑانے لگے، شروع میں تو محسوس بیٹھنا ناممکن ہو گا تاہم چند منٹس کی تکلیف کے آرامی بھی ختم ہو گئی۔ کنڈیکٹر کی بات بالکل ظاہری پہلو تھا حقیقی نہیں تھا، چنانچہ جیسے ہی سی گنجائش پیدا کر کے نووارد کو جگہ نے نئے مسافر کو بھی بیٹھنے کی جگہ مہیا کر دی۔ لیے جو کسی بھی ادارے اور مشن میں نووارد

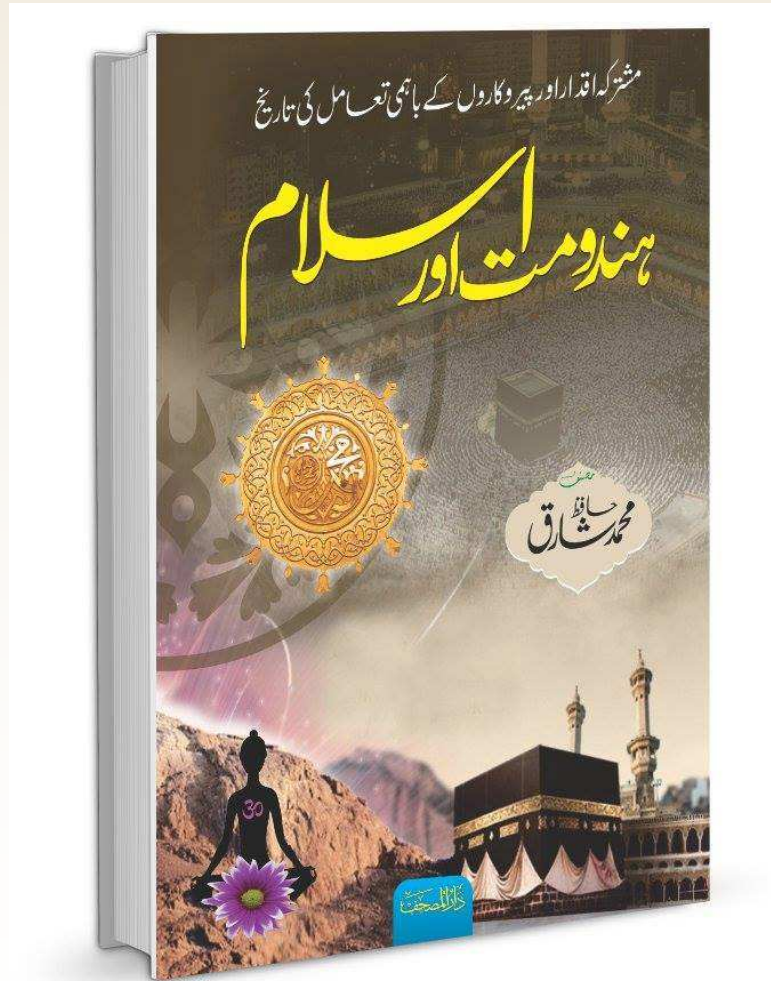
ہوتے ہیں۔ بے لوث و بے غرض کام کرنے والے، صلاحیتوں اور قابلیتوں سے مالا مال، اپنے جذبے و جنون کی بنیاد پر یہ چاہتے ہیں کہ انھیں "اگلی نشستوں" پر جگہ دی جائے، اور جب انہیں اپنا مطلوبہ مقام فوری نہیں ملتا تو مایوسی اور شکایت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ادارے اور مشن شخصی حوصلوں کی بنیاد پر نہیں بلکہ اجتماعی قربانیوں کی بنیاد پر چلتے ہیں۔ ہر شخص اپنی اپنی نشست پر اپنے انفرادی جذبات و مقاصد کی قربانی دیتا ہے تب ہی اجتماعی مفاد کامیابی سے پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ درحقیقت اجتماعی مفاد کی کامیابی میں ہی انفرادی کامیابی کا راز بھی چھپا ہوا ہے، درخت کے قائم رہنے اور نشوونما پانے میں ہر ٹہنی اور ہر پھول کی بقاء کا راز مضمر ہے۔ مگر اس کے لیے جس چیز کی سب سے پہلے ضرورت ہے وہ 'قناعت' ہے، یعنی ملے ہوئے پر راضی ہو جانا، جہاں جگہ مل جائے وہیں سے سفر کا آغاز کر دینا، عزت بے عزتی اور شہرت و ناموری سے بے نیاز ہو کر کام کرنا۔

جو شخص بھی اس اعلیٰ ظرفی اور مثبت سوچ کو اپنانے کی ہمت کرے گا وہی کامیابی کے راز کو پالے گا۔

نئے مسافروں کو چاہیے کہ وہ اگلی نشستوں کی تمنانہ کریں بلکہ پچھلی نشست پر بیٹھنے کے لیے بھی تیار رہیں، حتیٰ کہ ایسی نشست پر بھی جہاں بظاہر بیٹھنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

دوسری طرف پُرانے مسافروں اور ادارے کی سطح پر بھی جو بات سمجھنے کی ہے وہ یہ کہ کوئی بھی اعلیٰ مقصد قابل اور ذہین لوگوں کو اپنے ساتھ لیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، اس کے لیے سب سے پہلی ضرورت اپنے قلب و ذہن میں وسعت و گنجائش پیدا کرنا ہے۔ قابل اور ذہین لوگوں کو اپنے ساتھ جوڑ کر رکھنے کی واحد عملی تدبیر یہ ہے کہ ان کی تنقیدات کو برداشت کیا جائے، کیونکہ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ ذہین لوگ اپنے ذہن کو کبھی بھی قید کر کے نہیں رکھ سکتے۔



# Why Do I Have Pain?



## یہ درد کیوں؟

طاہرہ ملک (اسلام آباد)

درد اللہ کی طرف سے عظیم تحفہ ہے۔ جب انسانوں کو جسمانی درد ہوتا ہے تو اصل میں ایک لرننگ پراسیس (Learning Process) شروع ہو جاتا ہے۔ دوائی کھانے پر بھی بعض اوقات درد ٹھیک نہیں ہوتا۔ یہ ہمیں ہماری بے بسی کا یقین دلاتا ہے کہ ہم اللہ کے سامنے کتنے بے بس ہیں اور خود میں فرعون بنے پھرتے ہیں۔ اس سے ہمارے اندر عاجزی آتی ہے اور دوسروں کی تکالیف کا خیال بھی۔ ان دوسروں کا جو ہمارے اپنے نہیں ہوتے مگر ہم انہیں عموماً تکلیف میں دیکھ کر اگنور کر دیتے ہیں۔ مگر درد ہمیں ان کی تکالیف کا احساس کراتا ہے۔

اس طرح درد ہی وہ پیارا رشتہ ہے جو ہمیں اللہ سے ملاتا ہے۔ درد پر صبر اور اللہ کی رضا پر راضی رہنے سے انسان بہت کچھ سیکھتا ہے۔ یہ انسان کی شخصیت کو نکھار بخشتا ہے۔ جیسے شیر خوار بچے کو دانت نکلتے وقت بہت تکلیف ہوتی ہے بہت درد ہوتا ہے۔ مگر یہ تکلیف یہ درد اسے دانتوں کی وجہ سے ہے جس کی بدولت انسانی چہرہ ساری عمر باوقار اور خوبصورت دکھائی دیتا ہے۔

دوسری جانب اگر درد پہ صبر نہ کیا جائے جیسے عموماً بچے صبر نہیں کر پاتے روتے ہیں، ہاتھ منہ میں ڈال لیتے ہیں۔ اس سے انہیں مزید تکلیف ہوتی ہے۔ مگر وہ تو بچے ہیں نا سمجھ۔ وہ سمجھ نہیں سکتے۔ المیہ تو یہ ہے کہ بالغ بھی نہ سمجھیں اور درد پہ شور و واویلا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ صبر

کرنا ان کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ کہ صبر سے درد شخصیت کو جلا بخشتا ہے جو صرف فانی ہی نہیں دائمی زندگی میں بھی قائم رہے گی۔ مگر جب انسان درد پر واویلا کرتا ہے، بے صبر ابن جاتا ہے، درد کے باوجود دوسروں کی تکالیف کا احساس نہیں کر پاتا تو اس سے تکلیف کم نہیں ہوتی بڑھنے لگتی ہے۔ انسان دھیرے دھیرے اپنی شخصیت کو کھونے لگتا ہے اور یہ کھونا عارضی نہیں بعض اوقات دائمی ہو جاتا ہے۔ کہ انسان بے صبرے پن سے اللہ کو، اللہ کی قربت صبر جیسے بہترین راستے کو چھوڑ کر پستیوں میں گر جاتا اور اللہ سے دور ہو جاتا ہے۔ جب کہ یہی درد اسے اللہ سے ملانے کا بہترین ذریعہ ہوتا ہے۔

اگر کسی نامحرم پر نگاہ پڑنے کے بعد جھک جائے  
تو دل کی بندگی کی علامت ہے اور اگر ٹک جائے  
تو من کی گندگی کی علامت ہے۔

پروفیسر محمد عقیل





## مجھے کسی نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔۔

شیم مرتضیٰ (کراچی)

کسی بھی نارمل انسان کی زندگی میں یہ ممکن نہیں کہ کسی سے اس کا تنازعہ نہ ہو۔ ہر انسان کی طبیعت، پسند ناپسند اور فطرت مختلف ہونے کی وجہ سے زندگی میں ایسے بے شمار مرحلے آتے ہیں جب اس کا کسی ناکسی سے اختلاف رائے ہو جاتا ہے۔ خواہ یہ اختلاف رائے سیاسی اکھاڑے میں ہو، مذہبی مناظرے میں ہو، دوستوں کی محفل میں ہو یا خانگی زندگی میں ہو۔

جب کبھی تنازعہ پیش آئے تو ہمیشہ لوگ کہتے ہیں کہ "اُس نے میری بات سمجھنے کی کوشش نہیں کی" دونوں فریقین یہی کرتے ہیں۔ یہ کوئی نہیں سوچتا کہ اس نے دوسرے کی بات سمجھنے کی کتنی کوشش کی۔ ہماری ساری زندگی اپنی بات منوانے کے چکر میں گزر جاتی ہے۔ ہم کسی اور کی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ذرا سوچیے اللہ نے ہمیں دوکان اور ایک زبان کیوں دی ہے۔ زیادہ سننے اور کم بولنے کے لیے۔ کسی کی بات ناسننے اور ناماننے کے حوالے سے ہمارے رویے کے کئی عوامل ہو سکتے ہیں مثلاً:

1. ذاتی عناد

2. انا

3. کم علمی

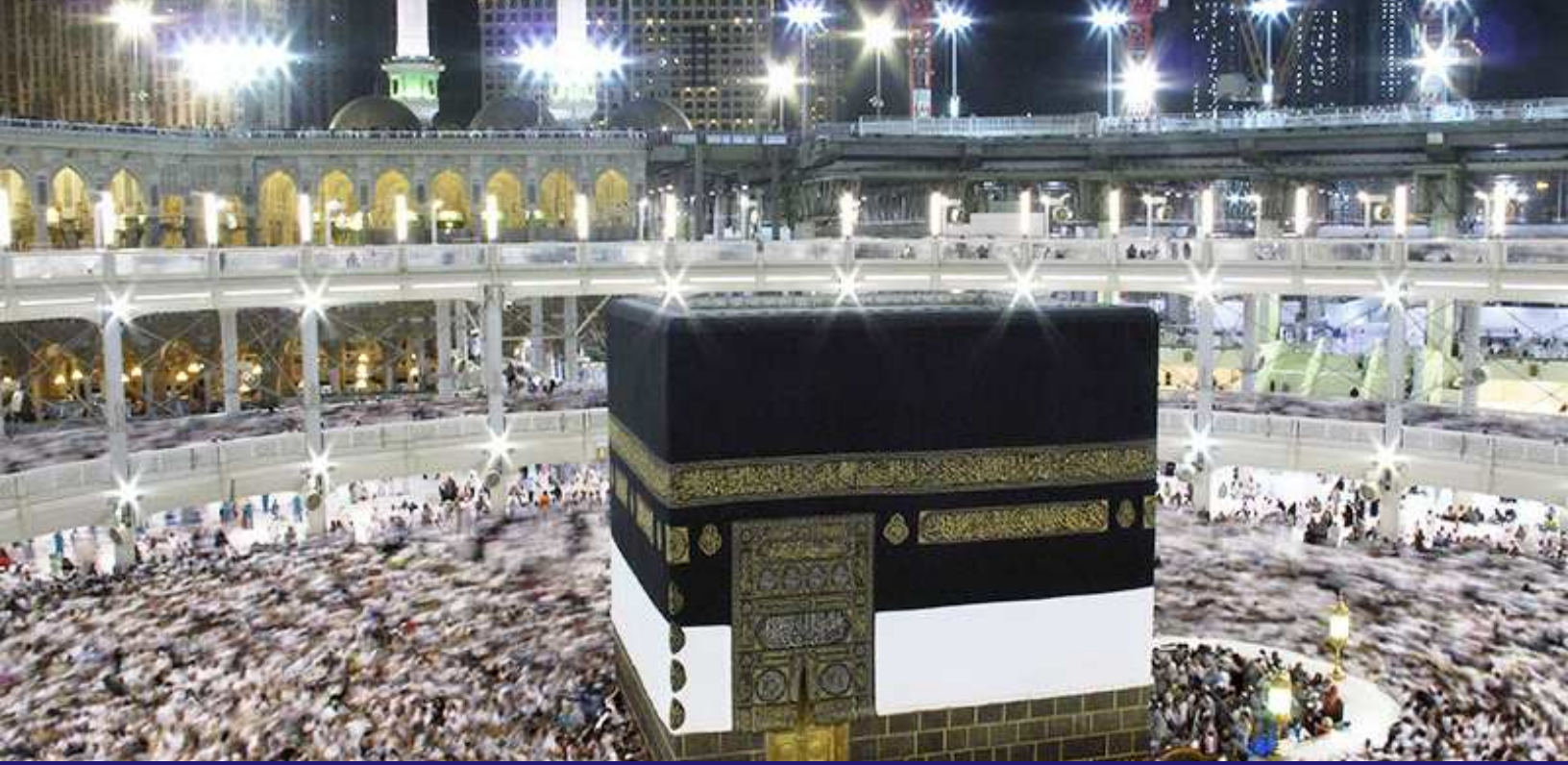
**ذاتی عناد** جب کسی جھگڑے کی بنیاد بنتا ہے تو ہم اپنی دشمنی کی وجہ سے کسی کی کوئی بات ماننے کے لیے اس لیے تیار نہیں ہوتے کیوں کہ وہ "ہمارے دشمن" نے کی ہوتی ہے۔ یہاں ایک نفسیاتی رکاوٹ حائل ہو جاتی ہے جو ہمیں عقلیت پر مبنی فیصلے نہیں کرنے دیتی۔

تنازعہ کے حل میں حائل ایک اور رکاوٹ ہماری انا ہوتی ہے۔ ہمارا نفس ہمیں اکساتا ہے کہ کسی کی بات مان لینے میں ہماری سبکی ہوگی۔ لوگ کیا کہیں گے کہ میں نے ان کی بات مان لی۔ میرا سر جھک جائے گا۔ ہماری انا خود ہماری راہ میں آکر کھڑی ہو جاتی ہے۔

کسی مسئلے کے حل میں رکاوٹ کی ایک تیسری بڑی وجہ کم علمی ہے۔ ہمیں اکثر بات پوری طرح پتہ نہیں ہوتی اور ہم اپنی کم معلومات پر ہی کسی چیز، واقعہ یا شخص کے بارے میں رائے قائم کر لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ رائے کم معلومات کی بنا پر صحیح نہیں ہوتی مگر ہم اُسے درست سمجھ کر اس کے دفع میں اپنی ساری توانائی صرف کرتے ہیں۔

ہم پوری کوشش کرتے ہیں کہ لوگ ہماری بات مانیں، ہماری بات سنیں، ہمارے طریقے پر چلیں اور اس طرح ایک سوچ ابھرتی ہے جسے ہم کہتے ہیں کہ یہ میرا طریقہ ہے۔ اس کے برعکس فریقِ ثانی کی بھی یہی کوشش ہوتی ہے جس سے ایک دوسری سوچ ابھرتی ہے جسے ہم کہتے ہیں کہ یہ اس کا طریقہ ہے۔ اور ہر ایک اپنے طریقے کو منوانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا رہتا ہے۔ اس پورے عمل میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ دونوں فریقین پر جذبات غالب رہتے ہیں۔ جذبات کی اس آگ کو ہمارا نفس ہوا دیتا رہتا ہے۔ اپنی دشمنی کی وجہ سے، اپنی انا کے ہاتھوں سے مجبور اور اپنی کم علمی کی بنا پر ہم کسی تنازعہ کو حل کرنے میں کامیاب نہیں ہو پاتے۔

ایسے میں ہمیں ایک ایسے طریقے کی ضرورت ہوتی ہے جو نہ تو اس کا طریقہ ہوتا ہے نہ میرا طریقہ ہوتا ہے۔ وہ طریقہ جو ہمیں مسائل کے حل کی طرف لے کر جاتا ہو وہ نہ تو کسی کی خواہشات پر مبنی ہوتا ہو نہ جذبات پر۔ ایسے طریقہ کی بنیاد اصولوں پر ہوتی ہے۔ اصول بھی وہ جو time tested ہوں اور اہم بات یہ ہے کہ ہمارا مذہب ہمیں جن اصولوں کی پاسداری کرنے کے لیے کہتا ہے ان کو اگر زمان و مکان کی کسوٹی پر پرکھیں تو یہ اصول کھرے ثابت ہوتے ہیں۔ کسی بھی زمانے میں کسی بھی جگہ، آج سے ایک ہزار سال پہلے مغرب میں یا مشرق میں۔ ان اصولوں میں ایک universality ہے۔ ان اصولوں پر مبنی طریقہ ایک بہتر طریقہ ہے۔ جس کے ذریعے ہم اصل بات کو سمجھ کر باہمی تنازعات کو ختم کر سکتے ہیں۔



# سفرنامہ۔۔۔ ابلیس سے جنگ کی روداد (قسط نمبر 6)

پروفیسر محمد عقیل (کراچی)

طریق طریق

نماز پڑھ لینے کے بعد میں نے طواف شروع کیا۔ یہ میرا دوسرا طواف تھا۔ طواف اصل میں نماز ہی ہے لیکن یہ عبادت صرف کعبہ کے گرد ہی ہو سکتی ہے اور اس میں ضرورت کے وقت بات چیت کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ طواف کے دوران میں نے کچھ لوگوں کو احرام کی حالت میں بھاگتے ہوئے دیکھا۔ یہ رمل کہلاتا ہے۔ اس کی تاریخ یہ ہے کہ جب صلح حدیبیہ کے اگلے سال مسلمان عمرہ ادا کرنے مکہ آئے تو قریش کی عورتوں نے مسلمانوں پر طعن کیا کہ یہ تو مدینے میں رہ کر کمزور ہو گئے ہیں۔ اس کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تم لوگ اپنے بچوں کے بل اکڑ کر تیز تیز چلو تاکہ دیکھنے والوں کو رعب اور طاقت کا احساس ہو۔ یہ رمل آج بھی سنت کے طور پر پہلے تین چکروں میں کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر اس سے کسی کو تکلیف ہو تو یہ ممنوع ہے۔

مسجد الحرام میں تقریباً ہر نماز میں جنازے لائے جاتے تھے۔ جنازہ کے بعد لوگ تیزی سے جنازہ اٹھا کر باہر کی جانب لے جاتے تھے اور ساتھ ساتھ طریق طریق بولتے جاتے تھے یعنی راستہ راستہ۔ پاکستانی حاجیوں کو عربی آئے یا نہ آئے لیکن وہ طریق طریق ضرور سیکھ لیتے ہیں۔

الرحیق المختوم

میری ہوٹل کافی آرام دہ تھی۔ میں اپنے ساتھ مولانا صفی مبارک پوری کی سیرت النبی کی معرکہ الآراء کتاب الرحیق المختوم بھی ساتھ لے گیا تھا۔

یہ کتاب میں نے اس سے قبل پڑھی ہوئی تھی لیکن مکہ میں پڑھنے کا لطف ہی کچھ اور تھا۔ جب میں نے اسے پڑھنا شروع کیا تو یوں لگا کہ میں چودہ سو سال قبل کے دور میں پہنچ چکا ہوں۔ آج وہ گلیاں اور محلے تو موجود نہ تھے لیکن اس کے آثار ضرور موجود تھے۔ یہ مکہ کے پہاڑ گواہ تھے اس تاریخ کے جو یہاں پر رقم ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے قبل کی زندگی، آپ کا صادق و امین کا لقب پانا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال تجارت کی غرض سے لے کر جانا اور پھر آپ ﷺ کا حضرت خدیجہ سے نکاح کرنا۔ پھر آپ کا غار حرا میں یکسوئی لیے کے لیے جانا اور پھر فرشتے کا پہلی وحی لے کر آنا۔ وہ آپ کا قریش کو انداز کرنا اور پھر ان کے ظلم و ستم برداشت کرنا۔ وہ آپ کے چچا ابوطالب کا آپ کو سپورٹ کرنا، شعبہ بن ابی طالب میں ڈھائی سال تک مقاطعہ برداشت کرنا۔ وہ طائف کے سرداروں کو اسلام کی دعوت دینا اور پھر ان کا توہین آمیز سلوک جھیلنا۔ یہ سب واقعات میرے ذہن میں ایک فلم کے مناظر کی طرح چل رہے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت دراصل ایک نئے دور کا پیش خیمہ تھی۔ آپ کی بعثت کے ساتھ ہی آخری مرتبہ خدائی عدالت دنیا میں لگی تھی۔ اس سے قبل کئی رسولوں کو دنیا میں بھیجا جا چکا تھا اور ان رسولوں کے انکار پر اللہ کی عدالت سے موت کا فیصلہ ان کا فرا توام پر نافذ ہو چکا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے موقع پر یہی پیغام قریش یعنی بنی اسماعیل کو دے دیا گیا تھا کہ اگر انھوں نے سوچتے سمجھتے انکار کیا تو ان کا انجام بھی قوم عاد اور ثمود سے مختلف نہ ہوگا۔

تیرہ سالہ مکی دور کی جدوجہد کے نتیجے میں نبی کریم پر چند ہی لوگ ایمان لائے۔ بعد میں مدینے کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور آپ نے مدینے ہجرت کی جہاں آپ نے ایک ریاست کی بنیاد رکھی۔ مدینے میں قیام کے دس سال کے دوران اسلام عرب پر چھا گیا اور یوں ایک ایسی امت تیار ہو گئی جس نے رہتی دنیا تک پیغمبروں کا کام کرنا اور لوگوں کو شیطان کے رغبات سے دور کر کے رحمان کی جانب بلانا تھا۔

### جج اور آج کے مسلمان

ابتدا میں تو مسلمانوں نے پوری دنیا کو خدا کی وحدانیت سے روشناس کرایا اور انہیں آخرت میں کامیابی کا پیغام خوش اسلوبی سے پہنچایا۔ لیکن آہستہ آہستہ مسلمانوں کی اکثریت شیطان اور نفس امارہ کے مقابلے میں شکست کھانے لگی۔ آج چودہ سو سال بعد یہ حالت ہے کہ غیر مسلم دنیا اس وقت الحاد، شرک، انکار آخرت، مادہ پرستی، جنسی بے راہروی، معاشی فساد اور قتل و غارت گری جیسے گناہوں میں مبتلا ہے۔ ان تمام مسائل کا واحد علاج اسلام کی دعوت ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ آج کے مسلمان جو معالج کی جگہ پر تھے خود ہی اخلاقی و روحانی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے۔ جنہیں تعلیم دینا تھی خود ہی مغربی فلسفے سے مرعوب ہو گئے، جنہیں اسلامی تہذیب دنیا میں پھیلانی تھی خود ہی اغیار کی تہذیب کے خوگر ہو چلے۔

آج مسلمانوں کی اکثریت ظاہر پرستی کا شکار ہے۔ ان کی اکثریت خدا کو مانتی ہے لیکن رسی طور پر، آخرت کا عقیدہ رکھتی ہے لیکن زبانی حد تک۔ اس امت کی اکثریت نے قرآن کو سمجھنا چھوڑ دیا، نماز کو ترک کر دیا، زکوٰۃ سے جان چھڑانے کے حیلے اختیار کئے، روزے کی روح سے محروم ہو گئے اور حج کو ظاہری رسومات کا مجموعہ بنا لیا۔

دوسری جانب ہماری اخلاقی حالت بھی کوئی ڈھکی چھپی نہیں۔ چنانچہ فقہی یا سیاسی اختلاف پر تکفیر اور قتل کر دینا ایک عام سی بات ہے۔ فرقہ بندی، حسد، نفرت، تشدد، جھوٹ، غیبت، بہتان، فحش کلامی اور بدگوئی معمول ہے۔ اسی طرح سود خوری، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی اور ناجائز منافع



41



# رسائل و مسائل

اس دنیا کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کی زندگی کے طور پر نہیں بنایا۔ یہ چند سالہ زندگی امتحان کے طور پر ہے جس میں کامیابی کی صورت میں ہمیں ہمیشہ کی زندگی نصیب ہوگی۔ اگر اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نظر آتا تو پھر کسی امتحان کی گنجائش موجود نہ رہتی۔ کون ایسا ہوتا جو اللہ تعالیٰ کو دیکھنے اور اس سے گفتگو کرنے کے بعد اس کی نافرمانی کا سوچتا؟ اس دنیا کا امتحان اصل میں نیکی و بدی میں سے کسی ایک کے انتخاب (Choice) کا امتحان ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کا کوئی خالق ہے۔ اسی خالق نے واضح نشانیوں کے ساتھ اپنے رسولوں کو بھیجا ہے۔ اب یہ ہماری عقل کا فیصلہ ہے کہ ہم نے کون سی راہ اختیار کرنی ہے۔ اس بات کا خیال رہے کہ امتحان یہ نہیں ہے کہ ہم کبھی کوئی گناہ نہ کریں۔ امتحان دراصل یہ ہے کہ ہم مجموعی طور پر اپنی زندگی، اپنے رب کے سرکش بندے کے طور پر نہیں بلکہ فرمانبردار بندے کے طور پر بسر کریں۔ اگر اس میں کبھی کوئی کوتاہی ہو جائے تو جذبات کے غلبے سے نجات پاتے

## خدا نظر کیوں نہیں آتا؟

جواب: حافظ محمد شارق

ہی سچے دل سے توبہ کریں اور اس کی طرف رجوع کریں۔ جو لوگ اس میں کامیاب ہوں گے، ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں اپنا دیدار کروائے گا اور اپنی جنت میں انہیں شرف ملاقات بھی بخشے گا لیکن اس لیے کے لیے ہمیں یہ چند سالہ زندگی اپنے رب کے سچے بندے بن کر گزارنا ہوگی۔

یہاں اسے ایک اور زاویہ نگاہ سے بھی سمجھا جاسکتا ہے جس کا ممکنہ تجربہ آپ نے بھی شاید کیا ہو گا۔ امتحان کے دوران جب آپ پرچہ لکھ رہے ہوں اور نگران آپ کے سر پر آکھڑا ہو تو آپ کو اس سے خلل اندازی محسوس ہوتی ہے۔ آپ اس تسلسل سے اپنا امتحان نہیں دے پاتے جس طرح نگران کے ذرا دور ہونے میں اطمینان سے دے سکتے ہیں۔ یہ زندگی کے عام امتحانات کا ایک عام سامشاہدہ ہے۔ ذرا سوچئے کہ اگر انسانی زندگی کے سب سے بڑے اور عظیم امتحان میں بھی نگران آپ کے عین سامنے ہوتا تو آپ یہ امتحان کس طرح آزادانہ طور پر دے سکتے؟

# مفقات



## حمد ”خدا ہے بے نیاز“

## نعت

خدا نے میری تخلیق کی

یہ اس نے

بہت ہی اچھا کیا

جیسے پانی میں نمی اور سیلان ظاہر ہوتا ہے

اور آگ سے حرارت

اسی طرح

سخنی سے سخاوت ظاہر ہو کر رہتی ہے

اس عظیم سخنی نے

میری جھولی میں زندگی کی بھیک ڈال دی

اور مجھے مالامال کر دیا

اور یہ سب

اس کے کرم اور سخاوت کا اظہار ہے

ورنہ

میرا پیدا کرنا اس کی ضرورت نہ تھی

اسے اپنے لیے

کسی سے کچھ نہیں چاہیے

وہ تو ”بے نیاز“ ہے

کسی کا محتاج اور ضرورت مند نہیں

کہتی ہے دنیا میرا کوئی نہیں ہے

جو تو ہے میرا تو کمی کوئی نہیں ہے

معراج کی شب نے ثابت یہ کیا ہے

اور شاہد عرش بریں کوئی نہیں ہے

دیکھا ہے حسن یوسف کو بھی

مگر تجھ سا جہاں میں حسیں کوئی نہیں ہے

میرے آقا کیسے کروں تیری ثنا

میری یہ جاہی نہیں، کوئی نہیں ہے

آیاتِ کلام سے یہ بھی عیاں

تیری نہ مثل اور کہیں کوئی نہیں ہے

تیرے اس اسیر کا عقیدہ یہی ہے

اور تجھ ساعالی کہیں، کوئی نہیں ہے

شاعر: حسنات محمود (اٹلی)

شاعر: پروفیسر راؤ مختار احمد



### لفظ لفظ موتی

- ♦ نعمتوں کا شکر ہی ان میں فروانی کا باعث ہے۔
- ♦ جو معاشرہ سچ سے جتنا دور ہوتا ہے وہ سچ بولنے والوں سے اتنی ہی نفرت کرتا ہے۔ (جارج آرویل)
- ♦ لوگوں کی مدد اس وقت بھی کریں جب آپ کو پتا ہو کہ وہ آپ کی مدد نہیں کر سکتے۔
- ♦ سب سے اچھا کام تزکیہ ہے اور تزکیہ میں سے سب سے اچھا کام تزکیہ نفس (یعنی اپنا تزکیہ) کرنا ہے۔
- ♦ اگر کسی نامحرم پر نگاہ پڑنے کے بعد جھک جائے تو دل کی بندگی کی علامت ہے اور اگر ٹک جائے تو من کی گندگی کی علامت ہے۔ (پروفیسر محمد عقیل)
- ♦ انسانوں پہ ظلم کرنے والا، اور ان کا حق صلب کرنے والا کبھی اللہ کی تلاش نہیں کر سکتا۔
- ♦ اللہ کو سب سے زیادہ وہ لوگ پسند ہیں جو اپنی غلطیوں کو مان لیتے ہیں اور اللہ کی مرضی کے آگے جھک جاتے ہیں۔
- ♦ اخلاق ایک دوکان ہے اس کا تالا زبان ہے۔ تالا کھلتا ہے تو پتا چلتا ہے کہ دوکان سونے کی ہے یا کوئلے کی۔



### شاعرانہ انتخاب

- جو نام ور ہیں آج کل، بے نام ہو جائیں گے
- یہ زندگی کے روشن پل، تمام ہو جائیں گے
- نازاں نہ ہو غافل اپنے مال و زر پہ اس طرح
- کل خاک میں مل کر یہ سارے، محض خام ہو جائیں گے
- خدا کے بھی، مخلوق کے بھی، حقوق کا خیال کر
- کہ ٹوٹے ہوئے اعمال بھی، نیلام ہو جائیں گے
- رضائے رب کو پالیں اب، مہلت بھی کچھ باقی ہے
- میدانِ حشر میں دیا ورنہ بدنام ہو جائیں گے

شاعرہ: دیا محمد





## سنہری موقع

تحریر: اُم مریم (لاہور)

اللہ تعالیٰ زندگی میں ہر انسان کو اپنی محبت اور معرفت کی گنجی ضرور عطا کرتے ہیں۔ انسان کا زندگی میں ایسے کئی واقعات حالات یا صورت حال کے ساتھ سابقہ پیش آتا ہے جب اس کے پاس کسی معاملے میں فیصلے کے لیے دو راستے ہوتے ہیں ایک طرف اس کی اپنی ذاتی خواہش آرزو چاہت یا مرضی ہوتی ہے جب کہ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی رضا مرضی اور چاہت اس کی ذات کے بالمقابل کھڑی ہوتی ہے۔ یہی وہ سنہری موقع ہوتا ہے انسان کے پاس جب وہ اپنی ذات اپنے نفس کی نفی کے عوض اللہ تعالیٰ کی چاہت اس کی قربت حاصل کرنے کے بہت قریب کھڑا ہوتا ہے جبکہ دوسری جانب اس کی اپنی چاہت اس کے اپنے نفس کی پیروی اسے دنیا و آخرت میں ڈبونے کے لیے کھڑی ہوتی ہے۔ ایسے میں انسان کو اپنے نفس پر قدم رکھتے ہوئے صبر و استقامت کے ساتھ اللہ کی رضا اس کے فیصلے کو اختیار کرنے کے بدلے میں اللہ کی طرف سے اسے اس خالق حقیقی کی محبت اور معرفت عطا ہوتی ہے۔ یہ محبت اور معرفت الہی ہی انسان کے لیے وہ ابدی انعام ہے جس کا نعم البدل ممکن ہی نہیں۔ یہیں سے انسان کی ابدی خوش قسمتی کی ابتدا ہوا کرتی ہے اور پھر اس کے حالات کچھ یوں بدلتے ہیں کہ جس کا وہ تصور بھی نہیں رکھتا۔ اللہ کی قربت پر ہی اس کی انتہا کی خاطر راستے خود بخود ہی استوار ہونا شروع ہوتے ہیں۔ ہدایت اور کامیابی اس کی طرف خود بخود دوڑی چلی آتی ہے صرف اک فنا کے عوض۔ اگر انعام پر نظر دوڑائی جائے تو فنا یعنی اپنی ذات اور خواہش کی نفی کو "صرف" ہی کہا جائے گا چاہے وہ دکھنے اور اختیار کرنے میں کتنی ہی مشکل اور دشوار معلوم ہو رہی ہو ابدی انعام کے بدلے میں "صرف" ہی تو ہے۔ جبکہ اپنی ذات کی تسکین کی خاطر خدا کی رضا کی نفی سے حاصل ہونے والی خوشی اور سکون نہایت ہی ناپائیدار ہے اور اس سے حاصل ہونے والے نتائج بے حد بھیانک ہوا کرتے ہیں۔

اگر انسان سمجھ جائے اور نتائج کو مد نظر رکھتے ہوئے درست فیصلہ درست راہ اختیار کرے تو زندگی میں پیش آنے والے ایسے ہی حالات اس کے مالک کی

طرف سے عطا کیا ہوا سنہری موقع ہوا کرتے ہیں



## خود اعتمادی مگر کیسے؟

تحریر: عدیلہ کوکب

خود اعتمادی حاصل کرنے کے لیے سب سے پہلا کام، سب سے پہلی توجہ اپنے کردار کی طرف دیجیے۔ برائیوں کو ایک ایک کر کے خود میں سے اکھاڑ پھینکے اور اچھائیوں کو ایک ایک کر کے اپناتے جائیں۔ جوں جوں برائیوں کی جگہ اچھائیاں آتی جائیں گی خود اعتمادی بھی آنے لگے گی۔ کیوں کہ برائیاں سکون چھین لیتی ہیں ہر جگہ، ہر دم، ہر وقت، ہر کسی سے بات کرتے ڈر رہتا ہے کہ میرے برائی سامنے آگئی تو؟ اور ایک یہی خدشہ ہمیں خود اعتماد نہیں ہونے دیتا۔ اس لیے برائیوں کو چھوڑتے جائیں اچھائیوں کو اپناتے جائیں۔ کبھی ماضی کی برائیاں یاد آئیں تو مایوس ہونے کی بجائے توبہ کر لیں اور معاف کرنا اللہ پہ چھوڑ دیں۔ اپنی اچھائیوں کی طرف توجہ کریں کبھی کبھی خود کو اچھائیوں پہ تھپکی دیجیے۔ روزانہ اپنا احتساب کریں۔ سونے سے پہلے اللہ سے اپنے دل کا حال بیان کر کے بہتری کی دعا یقین کے ساتھ مانگیں، انسانوں کی محفل میں خود کو کمتر نہ سمجھیں، نہ ہی خود کو کوسیں بلکہ اگر کوئی اچھا کام کر رہے ہیں تو عاجزی اختیار کرتے ہوئے اس کا کریڈٹ لیجیے۔ گرم جوشی سے لوگوں سے ملیں، ان سے نرم مزاج میں معاملات کیجیے۔ دوسری توجہ اپنے ظاہر کی طرف دیجیے۔ لباس مذہب و جسم کے مطابق اور صاف ستھرا پہنیں۔ جسمانی صفائی کا خاص خیال رکھیں۔ تیسری توجہ اپنی چال ڈھال کی طرف دیں۔ ہمیشہ درمیانہ چال چلیں نہ زیادہ تیز اور نہ بہت آہستہ۔ گفتگو میں نرمی لائیں نہ بہت ہی کم آواز میں بولیں اور نہ ہی بہت زیادہ اونچی آواز میں۔ ہر کام کو توجہ سے کریں چاہے وہ دینی ہو یا دنیاوی۔

ان افعال پر استقامت اختیار کرنے کی کوشش کرتے رہیں جب استقامت حاصل ہوگی تو خود اعتمادی آجائے گی۔ کہ خود اعتمادی عمل کرنے کا نام ہے سوچنے کا نہیں۔





## خبرنامہ

فہم القرآن سیشن۔۔۔ سائٹ کی تعمیر۔۔۔ پوزیشن ہولڈر طلبا کو انعام۔۔۔ بہترین طلبا۔۔

علوم اسلامیہ پروگرام کے احباب و طلباء میں فہم القرآن سیشن کا آغاز کیا گیا تھا۔ الحمد للہ فہم القرآن کا گیارہواں سیشن کامیابی سے مکمل ہو چکا ہے۔

فہم القرآن سیشن

علوم اسلامیہ کی سائٹ پر تعمیری کام جاری ہے۔ اس لیے داخلہ فارم نیچے دی گئی سائٹ سے ڈاؤن لوڈ

سائٹ کی تعمیر

کیے جاسکتے ہیں۔ [www.mubashirnazir.org](http://www.mubashirnazir.org)

اسپیڈز کے تحت فائنل امتحانات میں فرسٹ پوزیشن حاصل کرنے والے طلباء و طالبات کو اسلامک سٹڈیز

پوزیشن ہولڈر طلبا کو انعام

راحت عباس۔۔ حنا اسلم۔۔ منہب شاہ۔۔ ارشد شیخ۔۔ شیخ معیز الدین۔۔ طلحہ سونو۔۔ مریم نورین

بہترین کارکردگی دیکھانے والے طلبا